

آؤ لوگو کیسین نور خدا پاؤ گے ۛ لوہتین طور تسلی کا بتایا ہئے

روبووا



نیسے کے نظر پر

جلد ۳۰
بابتہ ماہ اگست ۱۹۰۳ء
نمبر ۸
فہرست مضامین

وحی الہی کی ضرورت - ۲۵۷ تا ۲۶۷	لیکھ رام کی موت - ۲۸۶ تا ۲۸۸
مذہب عیسوی میں ترزلزل - ۲۶۷ تا ۲۸۲	ایک عظیم الشان نشان کا پورا ہونا

تقادیان ضلع کوروا سپور سے ۲۰ - اگست سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع ہوا ۛ چندہ سالانہ روپرچہ - ملے

التماس ضروری

اُس تائید مجسم ارشاد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس میں اس رسالہ کے اجراء کے وسیع کے اصل اغراض و مقاصد ظاہر کر کے اسلام کو جلدی لعین کے مہلک حملوں کی بادر صر سے بچانے اور اس کے قالبِ مردہ میں روحِ حیات ڈالنے اور اہل اسلام میں دوبارہ روحانیت پیدا کرنے اور عوام الناس کو ضلالت اور جہالت کے خطرناک گڑھے میں گرنے اور مخالفت کے دامِ تزعیر سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا تھا۔ اسکے قیام و استحکام کے بارہ میں اعانتِ اشاعت رسالہ کی تحریک کی عرض سے اب بار بار ایسے چڑھے الفاظ میں کچھ زیادہ ظلم فرمایا کرتے رہنا ہمارے نزدیک غیر ضروری اور شخصِ تحصیل حاصل ہے کیونکہ امام صادق علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اپنے اُس ارشاد میں جس قدر تائید و تکید فرمائی ہے اور حد سے بڑھے ہوئے پر زور الفاظ میں اپنے پرجوش غلصہ میں کو اس کی خریداری کی جانب متفت کرنا چاہا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی پرہیز اور پر شوکت تائیدی الفاظ نہیں مل سکتے جو اپنی جماعت کے بیدار کرنے کیلئے معرضِ تیرمیں لائے جاویں۔ کیا اپنی جماعت کے غلصہ و پرجوش باہمت اجاب کے لئے حضرت اقدس کی جانب سے یہ کچھ کم تائیدی الفاظ تھے کہ ”میں پر سے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے غلصہ جو افراد کو اس طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد میں جہانگیر ان سے نکلن ہے اپنی ہمت و کھلاوین۔ جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی میں میری منشا کے مطابق میری اغراض میں مدد دے گا میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا“ حضرت اقدس نے صرف انہی الفاظ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس رسالہ کی خریداری و مالی اعانت کے واسطے مکرر الفاظ ذیل میں تائید فرمائی ہے۔

کہ ”تمہیں معلوم نہیں کہ اس وقت رحمت الہی اس دین کی تائید میں جوش میں ہے۔ واقعی وہی شخص اس جماعت میں داخل سمجھا جاوے گا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ میں خرچ کرے گا۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ اس خدمت میں جان توڑ کوشش کرو“

اپنی جماعت کو اس رسالہ کی اعانت کے لئے سخت تائید فرماتے ہوئے اس ارشاد کی آخری سطور میں ظاہر فرمایا ہے کہ ”اگر بیعت کر نیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہے اس بارہ میں کوشش کریں تو دسہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہوگا اگرچہ حضرت اقدس کے اُس تائیدی ارشاد کے نکلنے پر ابتدائی تازہ جوش میں اپنی جماعت کے طبقہ کے اجاب نے حسب استطاعت اسکی مالی امداد اور اشاعت میں حتی الوسع بہت کچھ سعی فرمائی۔ اور اپنے اخلاص مندی و ہمت کا ایک قابلِ تقلید نمونہ دکھلایا اور اسی کوشش کا ثمرہ ہے۔ کہ تعداد خریداری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وحی الہی کی ضرورت

ہندوستان میں برہمنوں کا ایک ایسا فرقہ ہے اور اس کے امثال یورپ اور دیگر عیسائی ممالک میں بھرت موجود ہیں جن کے نزدیک الہام الہی خدا تعالیٰ کی شناخت اور نجات کے لئے ضروری نہیں اور نہ ہی انسانوں کی ہدایت کے لئے کسی الہامی کتاب کی ضرورت ہے بلکہ ان لوگوں کے نزدیک انسانی عقل ہی ان سب باتوں کے لئے کافی ہے۔ اصل میں اس فرقہ کے انکار ضرورت الہام کی وجہ یہی ہوئی ہے کہ بائبل اور ویدوں میں جس الہام کو انہوں نے دیکھا ہے اسے ناقص پایا ہے اور اس نقص کو دیکھ کر آہستہ آہستہ انکار الہام ہی کر دیا ہے اس کی نظیر عیسائی مذہب میں ایک اور بھی پائی جاتی ہے کہ جب عقلمند اور فہیم لوگوں نے یسوع کے نقصوں اور کمزوریوں پر غور کیا تو اس کے خدا سے انہیں مجبوراً انکار کرنا پڑا۔ لیکن چونکہ عیسائی عقیدہ نے یسوع کو ہی خدا بنا کر ان کے سامنے پیش کیا تھا اس لئے یسوع کی خدائی کے انکار کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی آہستی کے بھی منکر ہو گئے پس جیسے سچے اور زندہ خدا کے وجود سے بے علمی کے باعث عیسائی لوگ دہریہ ہو گئے ایسے ہی اکثر ان کے اور ہندوؤں کا ایک فرقہ سچے اور کامل الہام اور زندہ الہامی کتاب یعنی قرآن کریم سے ناواقف کے سبب سے اور زندہ سرچشمہ الہام سے محرومی کی وجہ سے ضرورت اور وجود الہام کا انکار کر بیٹھے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جو خدا کی زندہ وحی کا مورد اور اس کے زندہ مکالمہ سے مشرف ہے اس فرقہ کا رد اور ان کے اعتراضوں کا استیصال قطعی اور یقینی دلائل سے اپنی مشہور موعودت تعریف براہین احمدیہ میں کیا ہے اور ذیل میں ہم اس بے نظیر کتاب سے بعض مقامات نقل کرتے ہیں تاکہ طالب حق کو معلوم ہو کہ یہ فرقہ کس قدر سخت غلطی اور گمراہی میں مبتلا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ بلا غدغہ انسان کا ایسا بے تکلفانہ ہو جانا جس پر یقین نجات کی امید

اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو صانع تعقی کے وجود اور اسکے قادر مطلق ہونے کی نسبت اور اس کے وعدہ جزا سزا کی بابت یقین کامل کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور یہ امر صرف ملاحظہ مخلوقات سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس مرتبہ یقین تک پہنچانے کے لئے ایک ایسی الہامی کتاب کی ضرورت ہے جسکی مثل بنانا انسانی طاقتوں سے باہر ہو۔ اب اس تقریر کو اچھی طرح سمجھانیکے لئے دو باتوں کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اول یہ یقینی طور پر نجات کی امید یقین کامل سے کیوں وابستہ ہے دوم یہ کہ وہ یقین کامل ملاحظہ مخلوقات سے کیوں حاصل نہیں ہو سکتا۔ سو پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ یقین کامل اس اعتقاد صحیح و حازم کا نام ہے جس میں کوئی احتمال شک کا باقی نہ رہے اور امر مقصود تحقیق کی نسبت پوری پوری تسلی اور تسکین دل کو حاصل ہو جائے اور ہر ایک اعتقاد جو اس حد سے متزلزل اور فروتر ہو وہ مرتبہ یقین کامل پر نہیں ہے بلکہ شک یا غایت کا رطن غالب ہے اور یقینی طور پر نجات کی امید یقین کامل پر اس لئے موقوف ہے کہ مار نجات کا اس بات پر ہے کہ انسان اپنے مولے کریم کی جانب کو تمام دنیا اور اسکے عیش و عشرت اور اسکے مال و متاع اور اسکے تمام تعلقات پر یہاں تک کہ اپنے نفس پر بھی مقدم سمجھے اور کوئی محبت خدا کی محبت پر غالب ہونے نہ پاوے۔ لیکن انسان پر یہ بلا وارد ہے کہ وہ برخلاف اس طریقے جس پر اس کی نجات موقوف ہے ایسی چیزوں سے دل لگا رہا ہے جسے دل لگانا خدا سے دل ہٹانے کو مستلزم ہے اور دل بھی ایسا لگایا ہوا ہے کہ یقینی طور پر سمجھ رہا ہے کہ تمام راحت اور آرام میلا انہیں تعلقات میں ہے اور نہ صرف سمجھ رہا ہے بلکہ وہ لذات یقین کامل اس کے لئے مشہود اور محسوس ہیں جن کے وجود میں اس کو ایک ذرا سا شک نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک انسان کو خدا کے لئے کئے وجود اور اس کی لذت وصال اور اس کی جزا سزا اور اس کی آلاء و نعماء کی ایسا یقین کامل نہ ہو جیسا کہ اس کو اپنے گھر کی دولت پر اور اپنے صندوق کے گنے ہوئے روپیوں پر اور اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے باغون پر اور اپنی زر خرید یا موروٹی جایدا پر اور اپنی آزمودہ اور چرشدہ لذتوں پر اور اپنے دلارام و دستوں پر حاصل ہے تب تک خدا کی طرف دلی جوش سے رجوع لانا محال ہے کیونکہ کمزور خیال زبردست خیال پر غالب نہیں آسکتا اور بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ جب ایسا آدمی جسکی یقین بہ نسبت امور آخرت کے دنیا پر زیادہ ہے اس مسافر خانے سے کوچ کرنے لگے اور وہ تازک وقت جسکو جان کنڈن کہتے ہیں یکایک اسکے سر پر نمودار ہو کر اسکو ان یقینی لذات سے دور لانا چاہے جو دنیا میں اس کو حاصل ہیں اور اسکو ان پیاروں سے علیحدہ کرنا چاہے جنکو وہ یقیناً بحیثیت خود ہر روز دیکھتا ہے اور ان مالون اور ملکون اور دولتوں سے اس کو جدا کرنے لگے جن کو وہ بلاشبہ اپنی ملکیت سمجھتا ہے تو ایسی حالت میں ممکن نہیں کہ اسکا خیال خدا تعالیٰ کی طرف قائم رہے مگر صرف اسی صورت میں کہ جب اس یقین کامل کے مقابل پر خدا کے تعالیٰ کے وجود اور اس کی لذت وصال اور اسکے وعدہ جزا سزا

پر بھی ایسا ہی یقین کامل بلکہ اس سے زیادہ ہو اور اگر اس آخری وقت میں اس درجہ کا یقین جو خیالات دنیوی کی مدافعت کر سکے اسکو حاصل نہ ہو تو یہ امر غالباً اس کے لئے بدخاتمہ کا موجب ہو گا۔ اور یہ بات کہ صرف ملاحظہ مخلوقات سے یقین کامل حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس طرح پر ثابت ہے۔ کہ مخلوقات کوئی ایسا صحیفہ نہیں ہے کہ جس پر نظر ڈالکر انسان یہ لکھا ہوا پڑھے کہ یہاں اس مخلوق کو خدا نے پیدا کیا ہے اور واقعی خدا موجود ہے اور اسی کی لذت وصال راحت حقیقی ہے اور وہی مطیع مخلوق چیز اور نافرمانوں کو مراد دیکھا۔ بلکہ مخلوقات کو دیکھ کر اور اس عالم کو ایک ترتیب احسن اور بلعبر مرتب پاکر فقط قیاسی طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مخلوقات کا کوئی خالق ہونا چاہئے اور لفظ ہونا چاہئے۔ اور ہے کے مصداق میں بڑا فرق ہے مفہوم ”ہونا چاہئے“ اس یقین جازم تک نہیں پہنچا سکتا جس تک مفہوم ”ہے“ کا پہنچا تا ہے بلکہ اس میں کسی قدر شک باقی رہ جاتی ہے اور جو شخص کسی امر کی نسبت بطور قیاسی ہونا چاہئے کہتا ہے اس کے قول کا صرف استقدر خلاصہ ہے کہ میرے قیاس میں تو ہونا لازم ہے اور آگے مجھے خبر نہیں کہ واقعہ میں ہے بھی یا نہیں یہی وجہ ہے کہ جو لوگ فقط مخلوقات پر نظر کرنے والے گذرے ہیں وہ نتیجہ نکالنے میں کبھی متفق نہیں ہوئے اور نہ اب ہیں اور نہ آئندہ ہونا ممکن ہے ہاں اگر آسمان کے کسی گوشہ پر موٹی جلی قلم سے یہ لکھا ہوا ہوتا کہ میں بے مثل و مانند خدا ہوں جس نے ان چیزوں کو بنایا ہے اور جو نیکیوں اور بدوں کو ان کی نیکی اور بدی کا عوض دے گا تو پھر بلاشبہ ملاحظہ مخلوقات سے خدا کے وجود پر اور اس کی جزا سزا پر یقین کامل ہو جایا کرتا اور ایسی حالت میں کچھ ضرور نہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کوئی اور ذریعہ یقین کامل تک پہنچانے کا پیدا کرتا لیکن اب تو وہ بات نہیں ہے اور خواہ تم کیسی ہی غور سے زمین آسمان پر نظر ڈالو کہیں اس تحریر کا پتہ نہیں ملیگا صرف اپنا قیاس ہے اور بس۔ اسی جہت سے تمام حکما اس بات کے قائل ہیں کہ زمین آسمان پر نظر ڈالنے سے وجود باری کی نسبت شہادت واقعہ حاصل نہیں ہوتی صرف ایک شہادت قیاسی حاصل ہوتی ہے جس کا مفہوم فقط اس قدر ہے کہ ایک صانع کا وجود چاہئے اور وہ بھی اس کی نظر میں کہ جو وجود ان چیزوں کا خود بخود ہونا محال سمجھتا ہو۔ لیکن دہریہ کی نظر میں وہ شہادت درست نہیں کیونکہ وہ قدامت عالم کا قائل ہے۔ اسی بنا پر اس کی یہ تقریر ہے کہ اگر کوئی وجود بے موجد جائز نہیں تو پھر خدا کا وجود بے موجد کیوں جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو پھر انہیں چیزوں کا وجود جنکو کسی نے بننے ہوئے بچشم خود نہیں دیکھا بے موجد کیوں نہ مانا جائے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جو قدیم حضرت باری میں تب ہی دہریہ کو ایک قیاس پرست کے ساتھ نزاع کرنے کی گنجائش ہے کہ مخلوقات پر نظر کرنے سے واقعی شہادت صانع عالم پر پیدا نہیں ہوتی۔ یعنی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فی الحقیقت ایک صانع عالم موجود ہے بلکہ صرف استقدر ظاہر ہوتا

ہے کہ ہونا چاہئے اور اسی وجہ سے امر معرفت صانع عالم کا صرف قیاسی طور سے دہر یہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ عقل صرف موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے۔ خود موجود ہونا ثابت نہیں کر سکتی اور کسی وجہ کی ضرورت کا ثابت ہونا شے دیگر ہے اور خود اس وجود ہی کا ثابت ہو جانا یہ اور بات ہے پس جس کے نزدیک معرفت الہی صرف مخلوقات کے ملاحظہ تک ہی ختم ہے اسکے پاس اقرار کرنے کا کوئی سامان موجود نہیں کہ خدا فی الواقع موجود ہے بلکہ اسکے علم کا اندازہ صرف اس قدر ہے کہ ہونا چاہئے اور وہ بھی تیس کہ جب دہر یہ مذہب کی طرف نہ جھک جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حکماء زمین سے محض قیاسی دلائل کے پابند رہے انہوں نے بڑی بڑی عقلیاتیان کیں۔ وہ انکھون پر اپنا کام چلاتے رہے اور خدا کو موجود فی الحقیقت یقین کرنا انہیں نصیب نہ ہوا بلکہ ان کی عقل نے اگر بہت ہی ٹھیک ٹھیک دوڑ کی تو فقط اتنا کہ ایک صانع کے موجود ہونے کی ضرورت ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس اونے خیال میں بھی ہر یوں کی طرح ان کو شکوک اور شبہات ہی پڑتے رہے۔ اور طریقہ حقہ پر ان کا قدم نہیں پڑا۔ بعض خدا کے مدبر یا ارادہ ہوئیے انکار ہی رہے۔ بعض اسکے ساتھ بیوی لے کوئے بیٹھے۔ بعض نے جمیع ارواح کو خدا کی طرح قدیم ٹھہرایا جنکے وارث اب تک آریہ سماج والے چلے آتے ہیں۔ بعض نے ارواح النسانیہ کی بقا کو اور جزا و سزا کو تسلیم نہ کیا۔ بعض نے زمانہ کو ہی خدا کی طرح مؤثر حقیقی قرار دیدیا۔ بعض نے خدا کے عالم بالجزئیات ہوئیے منہ پھیر لیا۔ بعض بتوں پر ہی قربانیان چڑھاتے رہے اور بعض دیوتاؤں کے آگے ہی ماتھ جوڑتے رہے اور ہتیرے بڑے بڑے حکیم خداوند تعالیٰ کے وجود سے ہی منکر رہے۔ اور کوئی ان میں ایسا نہ ہوا کہ ان تمام مفاسد سے بچ جائے۔ پس مجرد ملاحظہ مخلوقات سے ہرگز یقین کامل حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ بھی کسی کو ہوا ہے بلکہ جب قدر حاصل ہو سکتا ہے اور شاید بعضوں کو ہوا ہو وہ اسی قدر ہے جو ہونا چاہئے کا مصداق ہے اور یہ بھی وجود صانع عالم کی بابت ہے اور جزا و سزا وغیرہ میں تو اتنا بھی نہیں۔ اور جبکہ مخلوقات پر نظر ڈالنے سے یقین کامل حاصل نہ ہو سکا تو دوباتوں میں سے ایک بات مانتی پڑی۔ یا تو یہ کہ خدا نے یقین کامل ٹھہرا ہوا پوچھنے کا ارادہ بھی نہیں کیا اور یا یہ کہ ضرور اس نے یقین کامل تک پہنچانے کے لئے کوئی ذریعہ رکھا ہے۔ لیکن امر اول الذکر تو یہی البطلان ہے اور کسی عاقل کو اسکے باطل ہونے میں کلام نہیں۔ امر دوم کے قرار دینے کی حالت میں یعنی اس صورت میں کہ جب ہم تسلیم کریں کہ خدا نے مخلوقات کی نجات کے لئے ضرور کوئی کامل ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ بجز اس بات کے ماننے کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ کامل ذریعہ وحی الہی ہے اور عقل نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے بذریعہ قیاسات عقلیہ کے جو کچھ خدا اور امور آخرت

بنا دینا اور کونسا کھینچنا

کے بارہ میں سوچا جاتا ہے یا فکر کیا جاتا ہے اس سے نہ یقین کامل حاصل ہوتا ہے نہ معرفت کامل اور جو جو سادس قیاس پرستوں کے دل میں کھٹکتے رہتے ہیں ان کا تدارک بجز الہام کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر نیچر سے استفادہ سمجھا بھی گیا کہ عالم کا ایک صانع ضرور چاہئے۔ لیکن اسکے بیان کرنے والا کون ہے کہ وہ صانع ہے بھی۔ مان یہ سچ ہے کہ عمارت کو دیکھ کر معمار پر یقین آ سکتا ہو پر وہ یقین عادی طور پر ہم کو حاصل ہے کیونکہ جیسے ہم عمارتوں کو دیکھتے ہیں لیکن زمین آسمان کے بنانے والے کو کون دکھاوے۔ اس کا تو تب ہی پورا پورا یقین آوے کہ جب معماروں کی طرح اس کا بھی کچھ پتہ لگے۔ اگر عقل نے گواہی بھی دی کہ کوئی اس عالم کا بنانیوالا چاہئے تو وہی عقل پھر آپ ہی حیرت کے دریا میں ڈوبے گی۔ اگر یہ خیال سچا ہے تو پھر اس صانع کا آج تک کوئی پتہ بھی تو لگا ہوتا۔ پس اگر عقل نے صانع کے وجود کی طرف تکیہ کر رہی ہے تو پھر دیکھنا چاہئے کہ رہن بھی تو وہی عقل ہوئی۔ کسی کو دہریہ بنایا کسی کو طبعیہ۔ کوئی کیسی طرف جھکا اور کوئی کسی طرف بھلا فقط عقلی خیال سے کہ جس کی تصدیق بھی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ کبھی ہوگی۔ یقین کیونکہ آوے۔ اگر عقل نے قیاس بھی دوڑایا کہ بنانیوالا ضرور چاہئے۔ تو اب کون ہے کہ ہمیں پوری پوری تسلی دے کہ اس قیاس میں کچھ دھوکا نہیں۔ اور اس سے زیادہ اگر ہم غور بھی کریں تو کیا کریں اگر عقل سے ہی پورا پورا کام نکلتا ہے تو پھر کیوں عقل ہمیں راستے میں جھوڑ کر آگے چلنے سے انکار کرتی ہے۔ کیا مرتبہ اعلیٰ ہماری معرفت اور خدا شناسی کا ہی ہے کہ ہم صرف اتنا پر ہی کفایت کریں۔ کہ کوئی بنانیوالا چاہئے کیا ایسے اکل تکوین خیال سے ہم اس خوشحالی دائمی کے وارث ہو سکتے ہیں کہ جو کامل یقین اور کامل معرفت لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جس یقین کامل کے لئے ہماری روح تڑپتی ہے اگر وہ صرف عقل سے ہم کو ملے گا تو پھر یہ قول بھی ہمارا بجا ہوتا کہ اب ہمیں الہام کی کچھ حاجت نہیں۔ ہم اپنے مطلب کو بوجھنے لگے۔ لیکن جب یہاں ہو کر پھر بھی علاج کے متلاشی نہ ہوں اور صحت کامل کے وسائل طلب نہ کریں تو یہ بھاری بند بختی کی نشانی ہو۔ خوب سوچ کر دیکھ لو کہ الہام کے بغیر یقین کامل ممکن ہے نہ عقلی سے بچنا ممکن۔ نہ توحید خالص پر قائم ہونا ممکن ہے۔ نہ جذبات نفسانیہ پر غالب آنا جیسا مکان میں داخل ہے۔ وہ الہام ہی ہے جسکے ذریعہ سے خدا کی نسبت ہے گی دھوم مچی ہوئی ہے اور تمام دنیا ہست ہست کرتی اسکو پکار رہی ہے۔ وہ الہام ہی ہے جو ابتداء سے دلون میں جو ش ڈالتا آیا کہ خدا موجود ہے۔ وہ الہام ہی ہے جس سے پرستاروں کو پرستش کی لذت آتی ہے اور ایمانداروں کو خدا کے وجود اور عالم آخرت پر تسلی ملتی ہے۔ وہی ہے جس سے کروڑوں عارفوں نے بڑی استقامت اور جوش محبت الہیہ سے اس مسافر خانہ کو چھوڑا۔ وہی ہے جس کی صداقت پر

ہزار شہیدوں نے خون سے مہرین کر دیں۔ مان دہی سے جس کی قوت جاذبہ سے بادشاہوں نے فقر کا جامہ پہن لیا۔ بڑے بڑے مالداروں نے دولت مند کی پرورش پرورش اختیار کر لی۔ اسی کی برکت سے لاکھوں امی اور ناخواندہ اور بوڑھی عورتوں نے بڑے پر جوش ایمان سے کوچ کیا۔ وہی ایک کشتی ہے جس نے بارہا یہ کام کر دکھایا کہ بیشمار لوگوں کو درطہ مخلوق پرستی اور بدگمانی سے لگا لگا کر ساحل توحید اور یقین کا مل تک پہنچا دیا۔ وہی آخری دم کا یار اور نازک وقت کا مددگار ہے۔ لیکن نقطہ عقل کے پردہ سے جس قدر دنیا کو ضرر پہنچا وہ پوشیدہ نہیں۔ کس نے افلاطون اور اسکے تابع کو خدا کی خالقیت سے مفکر بنایا۔ کس نے جالینوس کو روحوں کے باقی رہنے اور جزائز کے بارہ میں شک میں ڈال دیا۔ کس نے تمام حکیموں کو خدا کے عالم بالجوئیات ہونے سے انکاری کھا کس نے بڑے بڑے فلاسفوں سے بت پرستی کرائی۔ کیا یہی عقل نہیں تھی جس کے ساتھ الہام تھا۔ یہ شبہ پیش کرنا کہ بہت سے لوگ الہام کے تابع ہو کر کبھی مشرک بن گئے۔ نئے نئے خدا بنائے درست نہیں۔ کیونکہ یہ خدا کے سچے الہام کا قصور نہیں بلکہ ان لوگوں کا قصور ہے جنہوں نے سچ کے ساتھ جھوٹ ملا دیا اور خدا پرستی پر ہوا پرستی کو اختیار کر لیا۔ پھر بھی الہام الہی ان کے تدارک سے غافل نہیں رہا۔ اور ان کو فراموش نہیں کیا۔ بلکہ جن جن باتوں میں وہ حق سے دور پڑ گئے۔ دوسرے الہام نے ان کی اصلاح کی اور اگر یہ کہا جائے کہ عقل کا بگاڑ بھی نیم عاقلوں کا قصور ہے۔ نہ عقل کامل کا قصور۔ تو یہ قول صحیح نہیں۔ ظاہر ہے کہ عقل اپنے اطلاق اور کلیت کے مرتبہ میں تو کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس مرتبہ میں وہ ایک کٹی ہے۔ اور کلی کا وجود بجز وجود افراد متحقق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کیفیت اس کی بذریعہ افراد کے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسا فرد کامل کون دکھا سکتا ہے جس نے فقط عقل کا تابع ہو کر اپنے خود تراشیدہ عقائد میں غلطی نہیں کی۔ الہیات کے بیان میں کبھی کھوکھلی نہیں کھائی۔ ایسا عاقل کہاں ہے جس کا یقین وجود صانع عالم اور جزائز وغیرہ امور معاد پر ہے۔ اسے کہ مرتبہ پر پہنچ گیا ہو جس کی توحید میں شرک کی کوئی رگ باقی نہ رہی ہو۔ جس کے جذبات نفسانیہ پر رجوع الی اللہ غالب آگیا ہو بلکہ خود حکما کا اقرار ہے کہ انسان مجرد عقل کے ذریعہ سے الہیات کے مسائل میں مرتبہ یقین کامل تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ صرف ایک مشتبہ اور مطمئن رائے کا مالک ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی کا علم مشتبہ اور مطمئن ہے اور مرتبہ یقین سے متنزل اور فروتر۔ تب تک غلطی کر نیے اس کو امن حاصل نہیں جیسے اندھے کو راستہ بھولنے سے۔ اور یہ خیال کرنا کہ مجرد عقل سے غلطیاں تو ہو جاتی ہیں۔ پر وہ مکرر سمجھ کر نظر رفع بھی ہو جاتی ہیں یہ بھی غلطی ہے کیونکہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عقل انسانی سے امور ارا المحسوسات میں بوجہ نقصان مرتبہ بصیرت کامل کبھی نہ کبھی اور کہیں نہ کہیں غلطی ہو جانا

ایک امر لازمی ہے جس سے کسی عاقل کو انکار نہیں لیکن ہر ایک غلطی پر متنبہ ہو جانا اور اس کی اصلاح کر لینا لازمی امر نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ لازمی کا تدارک غیر لازمی سے ہمیشہ اور ہر حال میں ممکن نہیں بلکہ غلطی لازمی کی اصلاح وہی شے کر سکتی ہے جس کو بمقابلہ اسکے سخت راستی لازم ہو۔ جس میں ذلک کتاب لاریب فتنہ کی صفت پائی جائے +

اور یہ بات کہ کیون تو حید خالص الہام الہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور کیون الہام کا فکر شرک کی آلودگی سے پاک نہیں ہوتا خود تو حید کی حقیقت پر نظر کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ تو حید اس بات کا نام ہے کہ خدا کی ذات اور صفات کو شرکت بال غیر سے منترہ سمجھیں اور جو کام اس کی طاقت اور قوت سے ہونا چاہیے وہ کام دوسروں کی طاقت سے انجام پذیر ہوتا رہا نہ رکھیں۔ اسی تو حید کے چھوڑنے سے آتش پرست بت پرست وغیرہ وغیرہ مشرک کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے بتوں اور دیوتاؤں سے ایسی ایسی مرادیں مانگتے ہیں جن کا عطا کرنا صرف خدا کے ماتحتین ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ الہام سے انکاری ہیں وہ بھی بت پرستوں کی طرح خدا کی صفات و مخلوق کا متصف ہونا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اس کا درمطلق کی طاقتوں کا بندون میں پایا جانا ناممکن نہیں۔ کیونکہ انکا یہ خیال ہے کہ ہم نے اپنی عقل ہی کے زور سے خدا کا پتہ لگایا ہے اور ہمیں انسانوں ابتداء میں یہ خیال آیا تھا کہ کوئی خدا مقرر کرنا چاہیے۔ اور ہماری ہی کوششوں سے وہ گوشہ گنہامی سے باہر نکلا۔ شناخت کیا گیا۔ معبود خلائیق ہوا۔ قابل پرستش ٹھہرا۔ ورنہ پہلے اسے کون جانتا تھا۔ اسکے وجود کی کسے خبر تھی۔ کیا یہ اعتقاد بت پرستوں کے اعتقاد سے کچھ کم ہے؟ ہرگز نہیں! اگر کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ بت پرست لوگ اور اذہر چیزوں کو اپنا منعم اور محسن قرار دیتے ہیں اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر اپنی ہی عقل کو اپنا مادی اور محسن قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اگر غور کریں تو بت پرستوں سے بھی ان کا پلہ کچھ بھاری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ بت پرست اس بات کے تو قابل ہیں کہ خدا نے ہمارے دیوتاؤں کو بڑی بڑی طاقتیں دے رکھی ہیں اور وہ کچھ نذر نیاز لیکھا اپنے پوجاریوں کو مرادیں دیدیا کرتے ہیں لیکن انہوں نے یہ رائے ظاہر نہیں کی کہ خدا کا پتہ انہیں دیوتاؤں نے لگایا ہے اور یہ نعمت عظمیٰ وجود حضرت باری کی انہیں کے زور بازو سے معلوم ہوئی ہو مگر یہ بات منکرین الہام کو ہی سوچھی کہ انہوں نے خدا کی ہستی کا کھوج اپنی عقل ہی سے لگایا۔ گویا خدا کا احسان تو ان پر کیا ہونا تھا ایک طوطا نہیں کا احسان خدا پر ہے۔ کہ اس بات کی پختہ خبر ماننے کے بغیر کہ خدا ہے اور اس امر کا یقین کامل ہونیکے بدون کہ اس کی نافرمانی سے ایسا ایسا عذاب اور اس کی فرمانبرداری سے ایسا ایسا انعام مل رہے گا۔ یونہی اس موہوم خدا کی فرمانبرداری کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ انکے نزدیک خدا ایسا کمزور اور ضعیف تھا کہ اس سے اتنا بھی

نہ ہو سکا کہ اپنے وجود کی خبر آپ دین اور اپنے وعدوں کے بارہ میں آپ کچھ تسلی بخشیں۔ بلکہ وہ چھپا ہوا تھا انہوں نے اس کو ظاہر کیا۔ وہ گناہ کا گناہ انہوں نے شہرت دی۔ وہ چپ تھا انہوں نے اس کا کام آپ کیا گویا وہ تھوڑی سی مدت سے اپنی خدا کی مین مشہور ہوا ہے اور وہ بھی ان کی کوششوں سے۔ ہر ایک عاقل جانتا ہے کہ یہ قول بت پرستوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ بت پرست لوگ اپنے دیوتاؤں کو صرف اپنی نسبت منعم اور محسن قرار دیتے ہیں۔ لیکن منعم بن الہام کے نزدیک ان کی دیوی کا کا عقل ہے نہ فقط لوگوں پر بلکہ خدا پر بھی احسان ہے۔ جس کے درجہ سے بقول ان کے خدا نے شہرت پائی اس صورت میں نہایت روشن ہے کہ الہام کے انکار ہی ہونے سے صرف ان میں ہی فساد نہیں کہ خدا کے وجود پر مشتبہ اور مطمئن طور پر ایمان لاتے ہیں اور طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہیں بلکہ یہ فساد بھی ہے کہ توحید کامل سے بھی محروم اور سبب نصیب ہیں اور شرک سے آلودہ ہیں۔ کیونکہ شرک اور کیا ہوتا ہے؟ یہی تو شرک ہے کہ خدا کے احسانات اور انعامات کو دوسرے کی طرف سمجھا جاوے۔

اس جگہ شاید برہم سہاج واسے اور انکے ہم عقیدہ یہ جواب دین کہ ہم اپنی عقل کو بھی خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ اور اس کے فضل و احسان کے قابل ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ جواب ان کا دھوکا ہے انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ جس چیز پر اپنے نفس کو قادر سمجھتا ہے یا جس بات کو اپنی محنت سے پیدا کرتا ہے اس کو اپنے ہی نفس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ دنیا میں جس قدر حقوق پیدا ہوتے ہیں صرف اسی خیال سے پیدا ہوتے ہیں کہ ہر ایک شخص جس چیز کو اپنی سعی سے حاصل کرتا ہے اس کو اپنی ملک اور اپنا مال سمجھتا ہے صاحب خانہ اگر یہ سمجھے کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ خدا کا ہے اس میں میرا حق نہیں جو تو پھر چور کیونکہ پڑے۔ اپنے مقروضوں سے قرض کا مطالبہ کیون کرے۔ بلاشبہ انسان جو کچھ اپنی قوتوں سے کرتا ہے اس کو اپنی ہی طرف نسبت دیتا ہے۔ خدا نے بھی دنیا کے انتظام کے لئے یہی قانون قدرت رکھا ہے۔ اسی پر ہر ایک فطرت پائل ہے۔ مزدور مزدوری کے اجرت یا نیکادعو سے کرتا ہے۔ نوکر تو کرمی بجالا کر اپنی تنخواہ مانگتا ہے۔ ایک کا دخل بھی دوسرے کے حق پر جرم ٹھہرا دیتا ہے۔ غرض یہ بات ہرگز ممکن نہیں کہ مثلاً کوئی شخص تمام رات جاگ کر ایک ایک لمحہ کو اپنی آنکھوں سے نکال کر جنگل میں بھوکا پیاسا رہ کر شہرت سردی کی تکلیف اٹھا کر اپنے گھیت میں آبیاشی کرے اور صبح خدا کا شکر ایسا ہی بجالا دے جیسا اس حالت میں بجالاتا کہ وہ ساری رات گھر میں آرام سے سویا رہتا۔ علی الصبح کھیت

میں جا کر اسے معلوم ہوتا کہ رات بادل آیا اور خوب بارش ہو کر جس قدر ضرورت تھی اسکے کھیت کو بھر دیا۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص اس بات کا قائل نہیں کہ خدا نے انسان کو عاجز و کمزور اور ناقص اور بے علم اور مغلوب النفس دیکھ کر اور سہو و لسیان میں مبتلا پا کر اس پر آپ رحمت کر کے الہام کے ذریعے سے سیدھا راستہ دکھلایا ہے بلکہ یہ خیال کرتا ہے کہ ہم نے آپ ہی محنت اور جانفشانی سے سارا کام خدا کے پتہ لگانے اور اسکے پیچھے نہ گئے وہ ہرگز ہرگز خدا کی شکر گزاری میں اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو یقین دلی سے اعتقاد رکھتا ہے کہ خدا نے سراسر لطف احسان سے میری محنت اور کوشش کے بغیر مجھ کو اپنی کلام سے سیدھے راستہ کی ہدایت کی ہے۔ میں سو یا ہوا تھا خدا نے ہی مجھے جگایا۔ میں مرا ہوا تھا خدا نے ہی مجھے جلایا۔ میں نالایق تھا۔ خدا نے ہی میری دستگیری کی۔ پس اس تمام تقریر سے ثابت ہے کہ منکرین الہام کامل توحید سے بے نصیب ہیں۔ ہرگز ممکن نہیں کہ ان کی روح میں سے سچے ایمانداروں کی طرح یہ آواز نکل سکے الحمد للہ الذی ہدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا اللہ۔ سب تفریقین خدا کو ہیں جس نے جنت کی طرف ہم کو آپ رہبری کی اور ہم کیا چیز تھے کہ خود بخود منزل مقصود تک پہنچ جاتے۔ اگر خدا رہبری نہ کرتا۔ ان لوگوں نے خدا اقلانے کی قدر شناسی خوب کی کہ جو صفتیں اس کی طرف منسوب کرنی واجب تھیں وہ اپنی عقل کی طرف منسوب کر دیں اور جو جلال اس کا ظاہر کرنا چاہئے تھا۔ وہ اپنے نفس کا ظاہر کیا۔ اور جو طاقتیں اس کے لئے خاص تھیں ان سب کے آپ مالک بن گئے۔ ان کے حق میں خداوند کریم نے بیج فرمایا ہے وما قدر والحد حق قدرہ۔ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شئ۔ یعنی الہام کے منکروں نے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کا کچھ قدر شناخت نہیں کیا۔ اور اس کی رحمت کو جو بندوں کی ہر ایک حاجت کی وقت جو شاماری ہے نہیں پہچانا۔ تب ہی انہوں نے کہا خدا نے کوئی کتاب کسی بشر پر نازل نہیں کی۔

میں جدا و قطعاً کہتا ہوں کہ الہام کے بغیر مجرد عقل کی پیروی میں صرف ایک نقصان نہیں بلکہ یہ وہ آفت ہے کہ کئی آفات اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ خداوند کریم نے جیسا ہر ایک چیز کا جوڑ باندھ دیا ہے ایسا ہی الہام اور عقل کا باہم جوڑ کیا ہے اس حکیم مطلق کا عام طور پر یہی قانون قدرت پایا جاتا ہے کہ جب تک ایک چیز اپنے جوڑ سے الگ ہے تب تک اسکے جوہر چھپے رہتے ہیں بلکہ اکثر اوقات نفع کی جگہ ضرر ہوتا ہے ایسا ہی عقل کا حال ہے کہ علم دین میں اسکے نیک آثار تب مرتب ہوتے ہیں جب اس کا جوڑ یعنی الہام اسکے ساتھ شامل ہو جائے اس کی عقل کے ذریعہ سے کونسی ایسی دینی صداقتیں پیدا ہوئی ہیں جو پہلے سے قرآن شریف میں موجود نہیں۔ اگر مجرد عقل سے ایسے حقائق عالیہ نکلتے جن کا قرآن شریف میں کچھ

ذکر نہ ہوتا تب بھی ایک بات تھی۔ اور اس صورت میں کہا جاسکتا تھا کہ عقل کے ذریعے ایسی صدائیں نکلی ہیں جو الہامی کتابوں میں موجود نہیں۔ اور اس بات سے دھوکا نہ لگے کہ عقل ایک عمدہ چیز ہے۔ ہم ہر ایک تحقیق عقل ہی کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ بلاشبہ عقل عمدہ چیز ہے لیکن اسکا جو ہر تب ہی ظاہر ہوتا ہے جب وہ اپنے جوڑ کے ساتھ ظاہر ہو۔ ورنہ وہ دھوکا دینے میں دشمنوں سے بدتر ہے۔ خوب سوچو جن جوڑ کسی بات کی بھی گت نہیں۔ خدا نے جوڑ بھی ایک عجیب چیز بنا دی ہے۔ جہاں دیکھو جوڑ ہی سے کام نکلتا ہے۔ ہم تم سب آنکھوں ہی سے دیکھتے ہیں پر آفتاب کی بھی ضرورت ہے۔ قانون ہی سے سنتے ہیں پر ہوا کی بھی حاجت ہے۔ جس زراعت کو پانی چھو بھی نہیں گیا اس کو کیونکر پھل لگے گا۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ تمہاری سمجھ سے دور ہوں یہ وہی قانون قدرت ہے۔ جس پر عمل کرنے کا مستکو +

اگر یہ کہا جائے کہ اگر بجز عقل کے ذریعہ سے معرفت تامہ و یقین کامل میسر نہ ہوتا تب بھی کسی قدر معرفت تو حاصل ہوتی ہے اور وہی نجات کے لئے کافی ہے تو یہ بھی ٹھیک نہیں۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ کسی دغدغہ کے بغیر خاتمہ نیک ہو جانا یقین کامل پر موقوف ہے اور یقین کامل خدا کی وحی کے بدون حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی غلطیوں سے بچے رہنا بجز معرفت کامل ملکہ نہیں۔ اور معرفت کامل بھی الہام کامل کج غیر غیر ممکن ہے۔ پھر بجز عقل ناقص کیونکر نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ بالخصوص وہ طریقہ خدا شناسی جس کو برہم سماج والوں کی عقل عجیبے بتبعیت بعض یورپ کے فلاسفوں کے پسند کیا ہے۔ ایسا خراب اور تر دو انگریز ہے کہ اس سے کوئی معرفت کا مرتبہ حاصل ہونا تو کیا امید کیجائے۔ خود وہ انسان کو طرح طرح کے شکوک و شبہات میں ڈالتا ہے کیونکہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کو ایک ایسا پتلا بھیاں فرض کر لیا ہے جس سے ساری عزت اور بزرگی اس کی دور ہوتی ہے اس سے ماننا پڑتا ہے کہ اول اول جب بنی آدم پیدا ہوئے محض بے عقل اور وحشیوں کی طرح تھے خدا نے اپنے وجود سے کسی خبر نہیں دی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ لوگوں کو آپ ہی خیال آیا کہ کوئی مبدء مقرر کریں۔ اول پہاڑ اور درخت اور دریا وغیرہ جو اس پاس اور ارد گرد کی چیزیں تھیں اپنا خدا ٹھہرایا۔ اور پھر کچھ ذرا اوپر چڑھے تو ہوا طوفان وغیرہ کو قادر مطلق خیال کیا۔ پھر اور بھی آگے قدم بڑھا کر سورج چاند تارونگو اپنا رب سمجھ بیٹھے اسی طرح آہستہ آہستہ غور کرتے کرتے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع لے آئے۔ اب اس تقریر سے خدا نغائے کی ہستی پر کس قدر شک پڑتا ہے اور اسکے حق و قیوم اور ربیالارادہ ہونے کی نسبت کیا کیا بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں کہ نفوذ باللہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا نے اپنے وجود کی آپ اطلاع

نہیں دی جیسا کہ ایک ذات موجود عالم الغیب اور قادر مطلق کا خاصہ ہونا چاہئے بلکہ یہ سارا منقوہ انسان ہی کا ہے۔۔۔۔۔ اسی کے دلیں خود بخود بیٹھے بٹھائے یہ بات گدگدائی کہ خدا مقرر کرین چنانچہ اس نے کبھی پائی کو خدا بنایا۔ کبھی درخت کو۔ کبھی پتھر و نگو۔ آخر آپ ہی دلیں یہ خیال جالیا کہ یہ چیزیں خدا نہیں ہیں۔ خدا کوئی اور ہو گا جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ کیا یہ اعتقاد انسان کو اس وہم میں نہیں ڈالے گا کہ اگر واقعی طور پر اس خدا سے مفروض کا کچھ وجود بھی ہوتا تو وہ کبھی تو ان لوگوں کی طرح جو زندہ اور موجود ہوتے ہیں اپنے وجود سے اطلاع دیتا۔ بالخصوص جب اس خیال کا پابند دیکھے گا کہ خدا تعالیٰ کو ادھورا اور ناقص یا گونگا تجویز کرنا ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ بلکہ جیسے اسکے لئے دیکھنا۔ سننا۔ جانتا وغیرہ صفات کاملہ ضروری ہیں۔ ایسا ہی اس میں قدرت تکلم بھی پائی جانی ضروری معلوم ہوتی ہے تو پھر اس حیرت میں پڑے گا کہ اگر کلام کرنے کی قدرت بھی انہیں پائی جاتی ہے تو اسکا ثبوت کہاں ہے۔ اور اگر نہیں پائی جاتی تو پھر وہ کامل کیونکر ہوا۔ اور اگر کامل نہیں تو پھر خدا بننے کے کیونکر لائق ٹھہرا۔ اور اگر اسکا یہہ گونگا ہونا جائز ہے تو پھر کیا وجہ کہ بہرا ہونا یا اندھا ہونا جائز نہیں۔ پس وہ ان شبہات سے صرف الہام پر ایمان لا کر نجات پائے گا۔ ورنہ جیسے ہزار ہا فلاسفر ہر یہ بن کے گڑھے میں گر کر مر گئے ایسا ہی وہ بھی گر کر مرے گا اب ہر ایک منصف آپ ہی انصاف کرے کہ کیا یہ اعتقاد خدا سے انکار کرانے کی پٹری جانیوالا ہے یا نہیں۔ کیا جس شخص کی نظر میں خدا ایسا کمزور ہے کہ اگر منطقی لوگ پیدا نہ ہوتے تو وہ ہاتھ ہی سے گیا تھا اسکے ایمان کا کبھی کچھ ٹھکانہ ہے۔ نادان لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا تو اپنی تمام صفتوں کے ساتھ بند و نگا پرورندہ ہے۔ نہ بعض صفتوں کے ساتھ۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ بعض صفتوں کا ملہ اسکے بندوں کے کسی کام نہ آوین۔ کیا اس سے زیادہ تر کوئی اور کفر ہو گا کہ یہ کہا جاوے کہ وہ پورا رب العالمین نہیں ہے بلکہ وہا یا تیسرا حصہ ہے + (باقی آئندہ)

مذہب عیسوی میں ترزلزل

عیسائی عقائد کی ترمیم کے سوال پر عرصہ سے عیسائی دنیا توجہ کر رہی ہے اور مذہب عیسوی کے بڑے بڑے حامیوں کو اس کی فکر لگی ہوئی ہے۔ کثرت رائے اسی طرف ہے کہ عیسائی عقائد میں تبدیلی ہونی چاہئے اگرچہ اسقدر اخلاقی جرأت ابھی کم پائی جاتی ہے

کہ مردانہ ہمت سے پرانے عقائد کے پھٹے ہوئے کپڑوں کو اتار کر بلا خوف و ہراس لاکھ پھینکا دیا جائے اور برعکس اس کے ابھی تک وہ لوگ بھی پادریوں میں موجود ہیں جن کی رائے کا رجحان اسی طرف ہے کہ خواہ ان کے باپ دادوں کے عقاید کیسے ہی لغو اور بھدے ثابت کر کے کیوں نہ دکھائے جاویں وہ انہی پر جسے رہیں گے۔ عیسائی عقائد میں یہ تزلزل جو ان کی تباہی کی یقینی علامت ہے۔ صرف عیسائی ممالک سے ہی مختص نہیں بلکہ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اب کھلے طور پر اس مضمون پر بحث ہو رہی ہے اور بعض صاف گو عیسائی صحیحاً اس ضرورت کو محسوس کر رہے ہیں کہ پرانے عقاید میں بڑی بھاری ترمیم ہونی چاہئے ہم فحاشیاً ایسے مباحثات کی کیفیت اس رسالے میں ہدیہ ناظرین کرتے رہے ہیں اور اسکے نتائج سے بھی ان کو مطلع کرتے رہے ہیں کہ کیونکہ پرانے عقاید بتدریج مٹتے جاتے اور ان کی جگہ نو ساختہ عقاید داخل ہوتے جاتے ہیں اور اس طرح پر عیسائی مذہب میں ایک انقلاب عظیم واقع ہو رہا ہے۔ ایک نئی روک جو عیسائی مذہب کی ترقی میں اس وقت پیش آئی ہے یہ ہے کہ باوجود ہر طرح کے جیلوں اور کروڑوں روپیہ کے خنجر کے عیسائی مذہب کوئی معتد بہ ترقی کرتا نظر نہیں آتا ہے بلکہ مقابلہ ابھی کسی کوششوں کے دن بدن ناکامی کی تصویر زیادہ نمایاں ہوتی جاتی ہے اور جو کوئی نئے پیٹھ پانے والے ہوتے بھی ہیں وہ عموماً اس ملک کے باشندوں کے دل سے تین طبقات میں سے ہوتے ہیں کچھ مدت تک تو پادریوں کا جان یہ کہہ کر اہل ملک کو خوش رکھتے رہے کہ ان کی کوششیں ایک مرتبہ ہی بار آور ہو کر عیسائی مذہب عالم گیر مذہب ہو جائے گا مگر آخر کار یہ راز طشت از بام ہو گیا ہے۔ اور اب حامیان مذہب عیسوی ان اسباب کی تلاش میں ہیں ہمہ تن مشغول ہیں جو اس کی اس عدم قبولیت کے وجوہ قرار دے جاسکتے ہیں گزشتہ اشاعت میں بھی ہم نے بعض ایسے پیش کردہ اسباب پر بحث کر کے یہ دکھایا تھا کہ اصلی اور حقیقی سبب عیسائی مذہب کی عدم قبولیت کا وہی ہے جو خود عیسائی ممالک میں اس کے زوال کا باعث ہو رہا ہے یعنی خود عیسائی عقائد کی کمزوری اور بددین۔ عملی طور پر اسی رائے کی تائید پادری بی لو کا س صاحب کا وہ پکڑ کرتا ہے جو انہوں نے بمقام ڈائیکٹریل ایس۔ آئی۔ ایم۔ اے کانفرنس کے موقع پر اس مضمون پر دیا ہے کہ کیونکہ مغربی عیسائیت ہندوستان کے مناسب حال کی جاسکتی ہے۔ پادری صاحب نے ایسے صاف الفاظ میں جس سے زیادہ صاف الفاظ کی ایک پادری سے امید نہیں ہو سکتی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ جس صورت میں مذہب عیسوی مغربی ممالک میں رائج ہو وہ ہندوستان کے ہرگز مناسب حال نہیں چنانچہ پکڑ کرتا ہے ہندوستان ہمارے

مسائل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان شرعی واقعات کی ضرورت ہے جن کی بنیاد پر ہم نے مسائل بنائے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ مسائل میں اور ان واقعات میں جن کی بنیاد پر وہ مسائل تراشے گئے ہیں۔ تفریق کرنا اور پھر ساتھ ہی انجیل کا واعظ بھی رہنا ایک سخت مشکل امر ہے۔ اور پھر آگے چلکر یوں بیان کرتا ہے ”وہ چیز جو انسان کی گناہ کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی روح کو آرام اور تسکین دیتے والی ہے وہ نہ تو ہمارے دقیق اور بڑی محنت سے تیار کئے ہوئے کفار کے مسائل میں اور نہ ہماری بڑی احتیاط سے گھڑی ہوئی نجات کی بنیاد پر ہیں بلکہ وہ خدا کی محبت ہے جو مسیح کے مرنے ہوئے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے جس میں مسائل ہمارے پاس موجود ہیں ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عیسائی مذہب کے واقعات ان مسائل کی نسبت جو انہیں کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں بہت زیادہ ضروری ہیں۔ اور اس لئے ہمیں کھلے دل سے تیار ہونا چاہئے کہ ہندوؤں کو ہم اس معاملہ میں پوری پوری آزادی دینا کہ وہ اپنے لئے خود مسائل تجویز کریں اور اپنا علم الہی خود ہی بنالیں۔“

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفارہ اور عیسائی مذہب کے مطابق نجات کا مسئلہ محض انسانوں کے تجویز کردہ مسائل ہیں جن کو گو مغربی دنیا نے ایک مدت تک قبول کر رکھا تھا۔ لیکن اگر عیسائی مذہب ہندوستان میں رائج ہو سکتا ہے تو ان مسائل کو جو عیسائیت کے شہتیرے سمجھے جاتے ہیں خیر باد کہہ کر ان کی بجائے کوئی اور مسائل قائم کرنے پڑینگے گویا مذہب عیسائی کی بنیادوں کو چڑھے اکھاڑ کر اور اسکو ان تمام مسائل سے الگ کر کے جو اسکے اصل اصول اور شہتیرے سمجھے جاتے ہیں یعنی کفارہ اور نجات۔ پھر بھی عیسائی مذہب ویسے کا ویسا ہی قائم رہ سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا امر انسان کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن پادری لوکاں میں ہر یقین دلاتا ہے کہ عیسائیت باوجود اس بربادی کے پھر بھی عیسائیت ہے اور اپنے اس قول کو ہی اس دعوے کے لئے کافی دلیل سمجھتا ہے۔

عیسائی عقائد پر یہ بے اطمینانی حالت کسی خاص ملک یا قوم سے مخصوص نہیں بلکہ تمام عیسائی دنیا میں ایک کھلبلی مچ رہی ہے اور ایک عام شور مچا ہوا ہے۔ مغربی دنیا میں یہ نئے عقائد کھلے طور پر ممبروں پر چڑھ کر بیان کئے جاتے ہیں اور مشرق میں جہاں انجیل کے واعظ عیسائیت کی منادی کے لئے بھیجے جاتے ہیں خود ان واعظوں کو کھلے طور پر یہ کہہ دینے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ مشرق اپنے لئے عیسائیت کی ایک نئی

صورت قائم کر سکتا ہے جس کا مغربی عیسائیت کے ساتھ سوائے نام کے اور کچھ اشتراک نہ ہو نہیں بلکہ اس امر کی کھلے لفظوں میں ترغیب دیجاتی ہے کہ عیسائی عقاید کو رد کر کے عیسائی نام کو قبول کر لیا جاوے ہم اس بات پر اعتراض نہیں کرتے کہ کیونکر گٹ کی طرح عیسائی مذہب رنگ بدل رہا ہے کیونکہ جب عقائد کے ایک خاص مجموعہ پر جنکو حضرت عیسیٰ سے کچھ تعلق نہیں اس نام کا اطلاق ہو سکتا ہے تو کسی اور مجموعہ عقاید پر بھی ایسا اطلاق ناجائز نہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر ہم اس کی سخت ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں جو مختلف ممالک اور مختلف زمانوں میں اپنے اصول کو تبدیل کر نیکی لے اسے پیش آتی ہے کیونکہ جیسا کہ عیسائی خود تسلیم کر چکے ہیں اسکے اصول کا بڑا اور اصلی حصہ جسکو ساری عمارت کی بنیاد کہنا چاہئے ایک روحانیت سے بے بہرہ اور روحانی طور پر تاریک زمانے کے انسانی خیالات۔ انسانی ذہانت اور انسانی تجربہ کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ پادری لوکاس بھی کہتا ہے: ہمارے مغربی عیسائیت کیسی نادار اور حقیر ہوتی اگر اسکی زندگی اور خیال کے صحیح ترجمہ کیلئے روم۔ اور یونان اور جرمنی کے علوم سرچشموں سے مالال کر دینے والی مدد نہ ملتی۔ اس مضمون پر کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک تاریخدان اس امر سے بخوبی واقف ہے۔ میں صرف اسکو اس امر واقع کے زیادہ موکد کر نیکی لے بیان کرتا ہوں کہ ہمارے مغربی عیسائیت مذہب عیسوی کی ایک خاص صورت ہے جس نے اپنا موجودہ رنگ اور شکل اپنے گرد و نواح کے حالات سے حاصل کئے ہیں اور نیز اس امر پر زور دینے کیلئے بھی بیان کرتا ہوں کہ جو کچھ مغرب میں واقع ہوا ہے اسی کے مشرق میں واقع ہو نیکی بھی امید رکھنی چاہئے اور پھر کہتا ہے: ”مسیح کی ذات ایک چیز ہے اور ہمارا اسکے متعلق ناقص اور ادھورا بیان الگ ہے۔۔۔۔۔ جب ہم اسکے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے سلسلوں میں ایک جگہ تجویز کر چکے ہیں اور اسکی زندگی اور افعال کو اپنے خام تفسیروں میں بیان کر چکے ہیں تو کتنی جلدی ہمیں پتہ لگ جاتا ہے کہ ہمارے عقاید کے سلسلے قبرین ہیں اور ہمارے قیمیں کفن کے سڑے ہوئے کپڑے جب ایک نئے دن کی روشنی بھڑکتی ہے تو یہ ہمارے پاس ان لوگوں کی خبر پہنچاتی ہے جنہوں نے سویرے سویرے ہی جا کر اس قبر کو دیکھا ہے کہ خداوند تو وہاں نہیں یعنی ان ہمارے عقائد کی قبر میں خدا کا پتہ نہیں ملتا۔ اور ہمارے عقاید کے سلسلوں کی اصلی محرومیت اور ہمارے عقاید کے پھٹے ہوئے کپڑوں کو احتیاط سے الگ کر دینا اس اطلاع کی صداقت پر مہر لگا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ ہمارا کام صرف مسیح کا وعظ کرنا اور مسیح مصلوب کو پیش کرنا ہوا اس سے آگے ہم کچھ نہیں کہتے بلکہ خود ہندوستان پر ہی چھوڑتے ہیں کہ جس قسم کا علم الہی وہ ان واقعات کی بنا پر بنانا چاہئے۔ پادری لوکاس کی تقریر کے اس حصہ سے جو اوپر نقل کیا گیا ہے صاف پایا جاتا ہے کہ عیسائی

مذہب کے وہ تمام اہم اور بنیادی عقاید جیسے تثلیث، کفارہ، دوبارہ جی اٹھنا، آسمان پر چڑھنا وغیرہ جو اب تک عیسائی مذہب کا مغز اور اسکے بنیادی پتھر سمجھے جاتے تھے وہ سب کے سب انسانوں کے تجویز کردہ مسائل ہیں جنکے بنانے میں یونانی اور رومی فلسفہ سے بڑی بھاری مدد لگی ہو اور اسلئے ایک آدمی جو ان تمام عقاید کو انسانی بدعات سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور صرف اس قدر تسلیم کرتا ہو کہ مسیح تھا اور وہ مصلوب ہوا نہ صرف عیسائی کہلا سکتا ہے بلکہ اس عیسائی سے بدرجہا بہتر ہے جو عیسائیت کو ان عقاید کے تسلیم کرنیکے ساتھ محدود کرتا ہے۔ یہ تمام عقاید خدا کی طرف سے نہیں اور نہ ہی ہمیشہ کیلئے قائم رہ سکتے ہیں۔ جو چیز انسان کی بناوٹ ہے اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ حالات کے بدلنے کے ساتھ بدلے یہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے اور عیسائیت کی بعینہ یہی حالت ہے۔

پس جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے ہمارا اعتراض اس وقت ان تبدیلیوں پر نہیں خواہ وہ کیسا ہی انقلاب عظیم پیدا کرنے والی ہوں۔ جو عیسائیت میں ہو رہی ہیں کیونکہ زمانہ چاہتا ہے کہ عیسائیت کے یہ اصول قائم نہ رہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ باوجود ان عظیم انقلابات اور تغیرات کے جو آئے دن اس مذہب میں ہوتے ہیں اسے خدا کی طرف سے کہنا اور الہی سرچشمہ سے نکلا ہوا قرار دینا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اسکے عقاید انسانی خیالات کے سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور اسلئے ان خیالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عقاید میں تبدیلی ہونی لازمی ہے اور یہی حال عیسائیت کا ہو رہا ہے۔ عیسائی مذہب اس مفہوم کے لحاظ سے جو اب تک اس سے سمجھا جاتا رہا ہے۔ یعنی چند عقاید کا مجموعہ جو مسیح کے نام پر بنا گئے ہیں۔ اور جن میں سب سے بڑے عقاید تثلیث اور کفارہ ہیں عیسائی مذہب کی غذا جس سے اسکا تنہ اور شاخیں پرورش پاتی رہی ہیں یونانی اور رومی فلسفہ رہا ہے اور جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے انہیں ذرائع سے حاصل کیا ہے ان انسانی ذرائع سے سب سے پہلے پولوس نے قایدہ اٹھایا تا کہ یہودیوں کے ایک خاص فرقہ (یعنی عیسائیت) کے عقاید کو رومی لوگوں کی ضرورتوں کے مطابق کیا جاوے اور ایسا وسیع کیا جاوے کہ یہود سوا دو لوگ بھی اس میں داخل ہو سکیں۔ اس تجویز میں جو عیسائی مذہب کے اصل عقاید کو جوڑنے سے اکھڑنے والی تھی۔ مسیح کے حواریوں نے پولوس کی سخت مخالفت کی اسلئے یہ امر بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ وہ عیسائیت جس کی مسیح تعلیم دیتا تھا۔ بلکہ اسے یہودیت ہی کہتا چاہئے۔ کیونکہ یسوع نے جس فرقہ کی بنیاد رکھی تھی وہ اصولاً یہودی مذہب کی ایک شاخ تھا اور کبھی الگ مذہب کی حیثیت میں نہیں مانا گیا تھا بلکہ ہمیشہ یہودیوں کا ایک فرقہ مثل دوسرے فرقوں کے سمجھا گیا۔ اصلی عیسائی مذہب کی یہی تعلیم تھی کہ اسکے پیرو حضرت موسیٰ کی شریعت کی

پورے طور پر تابعداری اختیار کریں۔ صرف مسیح کے اقوال ہی اس امر کے مؤید نہیں ہیں جہاں وہ کہتا ہے کہ وہ شریعت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوا اور کہ ایک شوشہ بھی شریعت کا ٹل نہیں سکتا۔ بلکہ خود حضرت مسیح اور اس کے حواریوں کے عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ تمام حواری شریعت کی پیروی میں بہت محتاط تھے۔ اور شریعت کے ہر ایک حکم اور ہر ایک قانون کو قابل عمل سمجھتے تھے۔ اور یہی تعلیم کہ شریعت کے احکام کو پورا کیا جاوے وہ ان لوگوں کو دیتے تھے جو اس فرقہ میں داخل ہوتے۔ وہ یہ دشلم میں ہی بند رہے۔ کیونکہ یہودیوں کی تمام کارروائیوں کا یہی مرکز تھا۔ اور اسی جگہ اپنے فرقہ کی تسلیم صرف یہودیوں کو دیتے رہے کیونکہ اپنے استاد کی طرح نہیں جانتے تھے۔ کہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالی جاوے۔ وہ صحیح معنوں میں اسرائیلی تھے۔ اور ان کی تمام امیدیں اسی ایک امر پر موقوف تھیں کہ یہودی مذہب آخر کار ان تمام موعود فتوحات کو اس مسیح کے ذریعہ سے جسے انہوں نے سچا تسلیم کر لیا تھا حاصل کریگا اور اس لئے ان کی تمام کوششیں اسی ایک غرض کے حاصل کرنے کے لئے تھیں۔ درحقیقت یہودیت کے انجام کار غالب ہو جائیں اس قدر پختہ یقین تھا کہ مسیح کو قبول کرنا بھی اسی ایک غرض سے تھا کیونکہ ان کو یہی یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کے آنے سے یہودی مذہب کل دنیا پر غالب آئیگا اور یہ ان کی زندگی کی بڑی آرزو اور ان کی بڑی بڑی امیدوں کے لئے جولا نگاہ تھا۔ ان حالات کے ماتحت اور عین اس وقت جب کہ عیسائی مذہب نے یہودیوں کے دائرہ سے نکل کر کوئی فتوحات حاصل کرنا ممکن معلوم ہوا تھا ایک انسان اٹھا جو حواریوں میں سے تھا مگر اس نے ظاہر یہ کیا کہ گویا وہ مسیح بیٹے نے بذریعہ ایک مکاشفہ کے حواری مقرر کیا گیا ہے اس کی بلند ہمت اور محنت پسند طبیعت عیسائیت کی اس تدریجی ترقی سے جو یہودیوں کے درمیان اسے حاصل ہو رہی تھی خوش نہ ہو سکتی تھی اس کے ذہن دماغ کو وہ بات سوچھی جو مسیح کو بھی نہ چھٹی تھی یعنی یہ کہ غیر یہودی اقوام کو عیسائی مذہب میں داخل کیا جاوے اسی ذہن اور رسا طبیعت سے اس کے یہ بھی دیکھ لیا کہ غیر یہودی اقوام کے اندر عیسائیت صرف اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے کہ ان اصولوں میں ان کی تعلیم مسیح نے دی تھی اور جو اس کے حواری قائم تھے ترمیم و تفسیر کیجاوے یہ دیکھ کر کہ شریعت دوسری کے احکام و قوانین پر غیر یہودی اقوام عمل نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہ خیال کر کے کہ میری غرض نیک ہے اور خواہ وہ کسی ذریعہ پوری ہو سکے پوری کرنی چاہئے (یہ موقعہ نہیں کہ ہم اس کی نیکی نیتی پر کوئی اعتراض کریں) اس نے

ایک ایسے عیسائی مذہب کی تعلیم دینی شروع کی جو کبھی حضرت مسیح کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا یعنی شریعت اور اس کے تمام احکام اور پابندیوں کو منسوخ کر کے عیسائیت کی کاپیٹ وی اور شریعت کے جا بجا ایسے عقائد تجویز کئے جو اُس کے اپنی ذہین طبیعت کی ایجاد تھے اور جو رومی اور یونانی فلسفہ کے مطابق تھے۔ عیسائیت کے اصل عقائد اور بنیادی اصول پر یہ تباہی افکن حملہ حضرت مسیح کے حواری خاموشی سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ بہت ڈر گئے اور یرושلم سے چند ایچی پولوس کے پاس بھیجے جنہوں نے جاتے ہی عیسائیت کے نو مریدوں کو یہ سمجھایا کہ عیسائی مذہب میں داخل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے تمام احکام کی پیروی کی جاوے اور بغیر شریعت پڑھنے کے نجات کا ملنا محال تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے حواریوں اور پولوس میں اس امر کے متعلق سخت فساد ہو گیا اور ایک پر جوش مباحثہ شروع ہوا۔ حواریوں نے اس بات سے انکار کیا کہ پولوس کو اپنے آپ کو حواری کہنے کا کوئی حق ہے یا یہ کہ وہ عیسائی مذہب کے اصولی عقائد میں کوئی ترمیم و تسبیح کر سکتا ہے۔ پولوس کا بالمقابل یہ جواب تھا کہ مسیحؑ نے خود اسے حواری مقرر کیا ہے اور غیر یہودی اقوام کو وعظ کرنیکا اور انہیں عیسوی مذہب میں داخل کرنے کا اسے حکم دیا ہے۔ اس وقت تک پولوس بڑی بھاری کامیابی حاصل کر چکا تھا اور حواریوں نے سمجھ لیا کہ اُس کی ترقی کو روکنا قریباً ناممکن ہے برعکس اس کے اس فرقہ کی ترقی یہودیوں کے درمیان بہت ہی کم تھی اور در زمانہ سے مسیح کے متعلق اُن کی رہی سہی امیدیں بھی کہ میں جلدی پیر آؤں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا اور بنی اسرائیل کے باران تخت قائم کروں گا۔ بالکل ٹوٹ گئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یسوع کے ذریعہ یہودیوں کا کامیاب ہونا ناممکن تھا اس لئے وہ اس کو مسیح بھی نہ مان سکتے تھے۔ آخر کار دونوں فریق نے اس شرط پر صلح کر لی کہ پولوس صرف غیر یہودی اقوام کا رسول رہے اور موسوی شریعت کے احکام کے وہ مکلف نہ ہوں اور دوسری حواری یہودیوں کے رسول ہیں اور شریعت پر پورا پورا عمل کرنے والے ہوں۔ مگر پولوس ایسا آدمی نہ تھا جو کسی شرط سے متقید ہو سکے چنانچہ اس صلح نامہ کے بعد پھر اُس نے شریعت کی قطعی منسوخی کا اعلان کیا کیا یہودیوں کے لئے اور کیا غیر یہودیوں کے لئے اور شریعت کی بجائے یہ امر قائم کیا کہ نجات مسیح کے خون سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ عیسائی مذہب کے اصل اور بنیادی عقائد کو اس طرح برترک کرنے میں پولوس کو خدا کی طرف سے کوئی سہ نہیں ملی تھی بلکہ اُس نے ایک ضرورت سمجھ کر اپنی ہی ذہانت سے یہ عقیدہ گھڑ لیا تا غیر یہودی اقوام کثرت سے اس نئے مذہب میں داخل ہوں اور صرف اسی غرض کے لئے اصل مذہب سے ارتداد کیا۔ آہستہ آہستہ یہ نیا مذہب جس کا

قبول کرنا نہایت آسان تھا کیونکہ ایک لفظ کے کہنے سے ہی نجات ملتی تھی دن بدن زیادہ غلبہ حاصل کرتا گیا۔ اور آخر کار اصل عقاید کا نام و نشان مٹ کر صرف یہی مذہب رہ گیا جسکو عام طور پر عیسائی مذہب کہا جاتا ہے مگر جو حقیقت پولوسی مذہب ہے۔

پولوس کی یہ کارروائی موجودہ زمانہ کے عیسائیوں کو یہ جرأت دلاتی ہے کہ وہ بھی عیسائی مذہب کی ترقی کو رکتا دیکھ کر پولوسی عقاید کی بجائے نئے عقاید عیسائی مذہب کے قایم کریں۔ مسیح نے یہ تعلیم دی تھی کہ شریعت پر چلو اور حضرت موسیٰ کے احکام کی پیروی کرو اور اس کے مخلص حواری اسی وصیت کے پابند رہے۔ لیکن پولوس نے دیکھا کہ ایسا مذہب کوئی بڑی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اس لئے عیسائیت کے نام کو رکھ کر اس کی حقیقت کو بالکل بدل دیا اور ان اصولوں کی بجائے جو مسیح نے سکھائے تھے یہ عقیدہ قایم کیا کہ مسیح کے خون پر ایمان لانے سے دنیا کے سب گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ بظاہر اس تبصرے بہت فائدہ حاصل ہوا لیکن درحقیقت یہ انسان کے لئے بڑے بڑے نقصان اور ضرر رسائی کا باعث ہوئی ہے۔ کئی صدیوں تک عیسائی دنیا نے اس عقیدہ پر قایم رہ کر آخر کار دیکھ لیا ہے کہ معقول پسند آدمی مسیح کے خون کے عقیدہ کو تسلیم نہیں کر سکتا اور باوجود بڑی بڑی کوششوں کے اب اس مذہب کی ترقی دوسرے ممالک میں اس قدر کم ہے کہ مقابلہ کوششوں کے اسکو ناکامی ہی کہنا چاہیے۔ یہ تو ہوا لیکن پولوس کی روح اب بھی عیسائیوں میں باقی ہے اور عیسائی دنیا عیسائیت کا نام زندہ رکھنے کے لئے اب ایک اور تجربہ کرنے والی ہے۔ ایک نئی تجویز پیش کی جاتی ہے جس کی مختصر سی کیفیت مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہو سکتی ہے جو ایک پادری کے لکچر سے نقل کئے گئے ہیں۔ اس لکچر میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اس وقت عیسائی دنیا میں عام ہو رہے ہیں۔ ایک اور مثال کافی ہوگی۔ ڈاکٹر کشمیرٹ ہال جن کے لکچر تھوڑا عرصہ ہوا ہندوستان کے اکثر مقامات میں ہوئے تھے ہندوستان کے سفر میں جو جو نقش ان کے دل پر ہوئے ان کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔ ”اگر صرف انجیلی عیسائیت کا مغز اور روح شرقی لوگوں کے سامنے پیش کیا جاوے اور ان تمام حدود اور روکوں کو اٹھا دیا جاوے جو مغربی مباحثات ضابطوں اور رسوم سے پیدا ہو گئی ہیں تو یقیناً خداوند کا وہ وعدہ پورا ہو جاوے گا کہ اگر میں اٹھا جاؤں تو سب انسانوں کو اپنی طرف کھینچ لوں گا۔“ وہ تمام اصول اور عقاید جو مسیح کے نام پر لوگوں میں مشہور کئے جاتے تھے مگر جو حقیقت انسانی اختراع تھے اب ان کی وقعت دلوں سے مٹ گئی ہے اور اب عیسائیت کا تجربہ سبک بڑا ثبوت اس کی صداقت کا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے تو اس سے بڑھ کر عیسائیت کا کوئی تجربہ نہیں دیکھا کہ عیسائی عقیدہ انسانوں کی مرضی پر تبدیل ہو جاتا ہے اور باوجود اس کے اسکو خدائی مذہب کہا جاتا ہے۔

نام اس کا مستقل ہے حالانکہ اصل حقیقت مذہب کی بدلتی جاتی ہے اور اس لئے اسکے پیروؤں کو اختیار ہے کہ جب ضرورت پیش آوے مذہب کی صورت کو بدل لیں۔

اس امر کی تائید میں کہ عیسائی مذہب کو ہر زمانہ اور ہر ملک میں ایک نیا بہرہ دینا چاہیئے عجیب عجیب عذریات بیان کئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ چونکہ یسوع مسیح کا مذہب اپنی وضع میں ایک عالمگیر مذہب ہے اس لئے کامل طور پر سمجھا جانیکے لئے اسے ہر ایک قوم کی مدد کی ضرورت ہے۔ یا ہندوستان میں مذہب عیسوی کی کامیابی کے یہ معنی ہیں کہ عیسائی مذہب ایک مشرقی صورت اختیار کرے جس میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے ہندو خیالات اور عمدہ سے عمدہ ہندو زندگی کا نمونہ عیسائی مذہب کی نئی صورت پیدا کرنے والی طاقتیں ہوں۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا انسانی خیالات الہی صداقتوں کو سانچے میں ڈھالا کرتے ہیں یا الہی صداقت ایسی ہونی چاہیئے کہ وہ انسانی خیالات کو ایک خاص صورت اور رنگ میں لانے کی طاقت رکھتی ہو عیسائیت کے حامی ذرا اس امر پر غور کریں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں بھلا اگر الہی صداقت ایسی ہی کمزور اور ننگی چیز ہے کہ وہ انسانی خیالات کے تابع ہے اور اس کے نیچے ہو کر چلتی ہے تو ایسی صداقت کی حقیقت ہی کیا ہے یہ تو محض ایک عبت اور لغو چیز ہے اس کا نام الہی صداقت کیونکر ہو کیا خدا کی طاقت اتنی ہے کہ اسے انسانوں کے تابع ہو کر چلنا پڑتا ہے عیسائیوں کا خدا ایسا کمزور ہو تو ہو اور درحقیقت بات بھی یہی ہے کیونکہ اگر یسوع خدا ہے تو جس طرح وہ اپنی زندگی میں یہودیوں سے مغلوب اسی طرح اس کی سکھائی ہوئی صداقتیں انسانی خیالات سے مغلوب ہونی چاہئیں۔ لیکن ہمارا خدا وہ زندہ اور طاقتور خدا ہے کہ جس کی طاقتوں کے مقابلہ میں انسانی طاقت بیچ ہے اور جس کی تعلیم کی ہوئی صداقتیں جب انسان کے روج کے اندر ایک گنہ داخل ہو جاتی ہیں تو پھر سارے انسان کو ایک نئے رنگ سے رنگین کر دیتی ہیں اس کے سارے قومی اور اس کی ساری طاقتیں اور اس کی ساری خواہشیں اس کے سارے خیالات اس طرح پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مطیع ہو کر ملتی ہیں کہ گویا اس کی کوئی اپنی ہستی نہیں بلکہ وہ پورے طور پر تصرف الہی میں ہوتا ہے۔ اور اپنے تمام ارادوں اور خواہشوں اور خیالات میں اسی کے تابع ہو کر چلتا ہے۔ الہی صداقت اپنے اندر وہ طاقت رکھتی ہے کہ اگر کل جہان بھی اس کے مقابل پر ہو تو اسی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کی سکھائی ہوئی صداقتوں میں یہ طاقت نہ ہوتی تو اس کو قبول کرنے سے کیا خوشی ہو سکتی تھی پس اگر عیسائی مذہب میں کوئی الہی صداقت موجود ہے تو یہ ایک بے معنی بات ہے کہ وہ وہ صورت اختیار کرتا ہے جو انسانی خیالات اس کو دیں اور اگر واقعی یہ مذہب ایسا ہی ہے کہ جو صورت اسے انسانی خیالات ہیں

وہی صورت اختیار کر لیتا ہے اور انسانی خیالات کے ماتحت ہو کر چلتا ہے تو پھر یقیناً اس میں کوئی الہی صداقت نہیں۔ فلسفہ کے مختلف طریقے جو دنیا میں موجود ہیں وہ بیشک انسانی خیالات کا نتیجہ ہیں لیکن کبھی کسی سے یہ بیہودگی سرزد نہیں ہوتی کہ انکو انسانی خیالات کا نتیجہ مان کر پھر بھی انکو الہی چشمہ سے نکالا ہوا کہے۔ گویا عیسائی عقائد کا نظام فلسفی طریقوں کے رنگ پر ہے۔ جیسا فلسفہ انسانی خیالات اور انسانی قوے ذہنی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا ہے ایسا ہی عیسائی مذہب بھی۔ جیسا فلسفہ کے مختلف طریق اختلاف زمانہ اور ملک سے بدلتے رہتے ہیں ایسا ہی عیسائیت کی مختلف صورتیں بھی انہی اسباب سے متاثر ہو کر بدلتی رہتی ہیں۔ جو عیسائی مذہب یورپ رائج ہے وہ ہندوستان کے لئے موزون نہیں پھر اس کو خدا کی طرف سے کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ یہ تو صحیح اور اصلی معنوں میں انسانی۔ انسان کا بنایا ہوا اور انسان کے خیالات کا نتیجہ ہے۔ مسیح ایک رنگ کی عیسائیت کا وعظ کرتا رہا اور اُس کے حواری اُس کے نقش قدم پر چلے۔ پولوس نے دیکھا کہ مسیح کی سکھائی ہوئی عیسائیت غیر یہودی اقوام کے لئے موزون نہیں پس اُس نے ایک اور طرح کی عیسائیت کی تعلیم دینی شروع کی۔ اور اب انسانی ترقی کی ۱۸ صدیوں کے گزر جانے کے بعد یہ راز کھلتا ہے کہ پولوس کی سکھائی ہوئی عیسائیت اس مذہب زمانہ کے موزون حال نہیں ہے۔ اور نہ ہی دوسرے ممالک مثلاً ہندوستان یا چین کے لئے موزون ہے۔ جب کہ پولوس نے ایک نیا عیسائی مذہب یونان اور روما کے لئے گھڑ لیا تھا ایسا ہی اب ہندوستان اور چین کو چاہیے کہ وہ اپنے اپنے لئے نئے عیسائی مذہب گھڑ لیں۔ پھر اگر صورت یہی ہے جیسا کہ عیسائی صاحبان تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں یہ بتایا جائے کہ عیسائیت میں خدا کا حصہ کیا ہے۔ اگر مذہب عیسوی کا یہ سب سے پہلا مسئلہ کہ یسوع کے خون سے انسان نجات پاتا ہے عیسائی مذہب کے الگ کیا جاسکتا ہے۔ تو پھر باقی تمام مسائل جو ایسیکی شاخیں ہیں اور جن کے مجموعہ کا نام عیسائیت ہے وہ بھی ایک ایک ہو کر الگ ہو سکتے ہیں اور عیسائی مذہب ان معنوں میں جن معنوں میں یہ مذہب سمجھا جاتا رہا ہے بالکل معدوم ہو جائیگا ہاں ایک فلسفی طریقہ کی صورت پر اس کا نام بانی رہ سکتا ہے وہ بھی اُس وقت تک جب تک دو متضاد مجموعہ مسائل کے لئے وہی ایک نام قائم رکھنا پسند کیا جائے۔ لیکن بحیثیت مذہب ہونے کے اس کی زندگی کا ایسا وقت خاتمہ ہو جاتا ہے جب پرانے عقائد کو ترک کر کے اُن کی بجائے نئے عقائد بنائے جاویں۔ یہ کہنا کہ باوجود اس انقلاب عظیم کے صداقت وہی ہے اور صرف اس کی ظاہری صورتیں بدلتی ہیں اصل حقیقت کو چھپانا اور سچائی پر پردہ ڈالنا ہے۔ ہم اپنے سوال کو صاف اور سیدھی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ کہ کیا یسوع کا خون واقعی گناہوں کو دور کر سکتا ہے یا نہیں اور اس کا جواب بھی خواہ مثبت ہو خواہ نفی صاف الفاظ

میں ہونا چاہیے اگر اس کا جواب ہاں ہے تو پھر اس عقیدہ کو الگ کر کے عیسائیت کچھ چیز نہیں ہے اور پھر ایک ہندو کے سامنے عیسائیت کا ذکر ناجسکو علی درجہ کے ہندو خیالات اور سب سے عمدہ ہندو زندگی کا نمونہ ایک نئی صورت دینے والے ہوں لغو اور بھل بات ہے۔ اور اگر سوال کا جواب نفی میں ہے تو موجودہ عیسائیت سب سے خطرناک غلطی ہے جو کبھی دنیا میں رائج ہوئی ہو جو کچھ پادری لوکاں نے بیان کیا ہے اس سے شق ثانی ہی درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ مذہب عیسوی کا مغز اور روح نہ تو کفارہ کی دقیق بخشش اور نہ احتیاط سے تیار کی ہوئی نجات کی تجویزیں ہیں بلکہ یہ مسیح کے مرتے ہوئے چہرہ میں جو خدا کی محبت نظر آتی ہے وہی گنہ کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی روح کو اطمینان اور تسکین دیتی ہے۔ اگر ان بڑے بڑے الفاظ کے نیچے سے صحیح معنی تلاش کئے جاویں تو کل عبارت کا مطلب صرف یہ ہو گا کہ ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یسوع کی موت کسی ناقابل بیان طریق سے انسانی گناہوں کو اٹھالے گئی بلکہ اس کی موت کو خدا کی محبت کے لئے اپنے نفس کی قربانی کا ایک عمدہ نمونہ سمجھنا چاہیے۔ لیکن مذہب عیسوی بلحاظ عقیدہ کے ایسے خیال سے کیا تعلق ہے۔

اگر عیسائی مذہب کے اصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند ہوتی تو یہ کبھی خیال نہ کیا جاتا کہ ان کو بدلنا انسان کے اختیار میں ہے۔ جو مذہب خدا کی طرف سے ہو اس کی تبدیلی انسان کے اختیار میں نہیں ہو سکتی۔ مذہب اسلام کے پاک اور متبرک اصولوں کو دیکھو اور پھر غور کرو کہ وہ کطل چہرے ایسے وضع کئے گئے ہیں کہ کبھی بدلتے نہیں۔ اس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا اصول اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہے جو آخر دنیا تک ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا بلکہ خود عیسائیوں کو اپنی فرضی تثلیث میں بھی توحید ماننی پڑی ہے اسکا ہمیشہ لا تبدیل رہنا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ یہ انسانی فطرت اور خدا کے قانون قدر کے مطابق ہے پس انسانی فطرت بدل سکتی ہے خدا کا قانون قدرت بدل سکتا ہے اور نہ ہی سئلہ توحید بدل سکتا ہے۔ پھر کفارہ کو بالمقابل اسلام جو بڑا اصول سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ نجات کسی انسان کے خون سے نہیں ملتی بلکہ ایک پاکیزہ زندگی کے اختیار کرنے بدی کی راہوں سے بچنے اور نیکی کی راہوں پر چلنے سے ملتی ہے۔ اس اصول کی معقولیت کسی زمانہ اور کسی ملک میں زیر بحث نہیں ہونی اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ جوں جوں دنیا علوم و تہذیب میں ترقی کرے گی اس اصول کی صداقت اور اس کے بالمقابل اصولوں کا بطلان زیادہ زیادہ واضح ہوتا جاوے گا پھر ایک اور بڑا اصول اسلام وحی الہی کے متعلق ہے اسلام دو سکند مذہب کی طرح یہ تعلیم نہیں دیتا ہے کہ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اور اب خدا اپنے آپ کو اپنے بندوں پر ظاہر نہیں کرتا یا اب اپنی ہستی

طاقت اور علم کے زبردست نشان نہیں دکھاتا بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ وہی زندہ خدا جو موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر ظاہر ہوا اب بھی اپنے ان پاک بندوں پر ظاہر ہوتا ہے جو اس کو ڈھونڈ سکتے ہیں تاکہ اس کی ہستی اور قدرت پر یقین نام حاصل کر کے وہ گناہ سے بچیں اور خدا کی نارضا مندی کے ہر ایک راہ سے اجتناب کر کے اس کی رضا کی راہوں میں چلیں۔ یہ صرف یہی تعلیم نہیں دیتا کہ خدائے تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے بلکہ وہ اپنے راستبازوں کو ان کی دعاؤں کی قبولیت سے قبل از وقت اطلاع بھی دیتا ہے۔ اسلام نشانوں اور معجزات کو گذشتہ قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں بیان نہیں کرتا بلکہ ان لوگوں کے ذریعہ سے جو کامل طور پر اس کے فرمانبردار ہو کر چلتے ہیں وہ اب بھی نشانوں کا وعدہ دیتا ہے۔ اسلام زندہ مذہب ہے اور اس کے برکات بھی زندہ ہیں۔ اس کے پاک اصول کسی زمانہ یا کسی ملک میں ترمیم کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر کسی وقت جہالت سے اس کے کسی اصول پر اعتراض کیا گیا ہو تو خود ہی زمانہ نے اس امر کا ثبوت دیدیا ہے کہ سچا اصول وہی ہے جو اسلام نے سکھایا ہے اور معترض نے سخت غلطی کھائی ہے۔ مثلاً ایک طلاق کے مسئلہ پر ہی غور کرو اسلام اجازت دیتا ہے کہ سولہ زمانہ کے دوسرے ایسے وجوہات پر جن سے تعلقات زناشوی قائم نہ رہ سکتے ہوں طلاق واقع ہو سکتی ہے اس اصول کی صداقت کو اب کل مہذب ممالک نے تسلیم کر لیا ہے اور اکثر عیسائی ممالک میں طلاق ایسے وجوہات پر واقع ہو سکتی ہے جن کے لئے انجیل میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ درحقیقت اسلام کے اصول چونکہ وہ ایک غیر متبدل حی و قیوم خدا ہمہ طاقت اور ہمہ علم ہستی کی طرف سے ہیں ایسے عالمگیر اور مستقل ہیں کہ مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں ان کو صورت بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ انسانی خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں ان کے نیچے بڑے بڑے خزانے صداقتوں کو مدفون ہیں مگر یہ صداقتیں عیسائیت کے اصول کی طرح کسی قوم کی بدولت اسلام کو نہیں ملیں بلکہ اس دانا اور حکیم ہستی نے جس نے وہ اصول سکھائے ان کے نیچے ان صداقتوں کو بھی کیا تاکہ اس کو خدا کی طرف سے پوری دلیل ٹھہریں علم تاریخ کا ایک بتدی بھی اس امر کو ثابت نہیں کر سکتا کہ انسانی خیالات کا اسلام اصول پر کچھ اثر نہ ہو۔ ان اصولوں نے جہاں وہ قبول کئے گئے ہیں انسانی خیالات میں ایک حیرت انگیز ترقی پیدا کی اور ان کی صورت بدل دی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ انسانی ذرائع سے ان کو کوئی مدد پہونچے انہوں نے انسانی خیالات کو مالا مال کر دیا ہے جیسے خدا کا علم انسان کے علم سے بہت ہی برتر ہے ایسے ہی اسلام

اصول جو دنیا کے تمام مذاہب پر ہر ایک سال میں فوقیت رکھتا ہے اپنے نیچے ایسی مخفی صداقتوں کے خزانے رکھتے ہیں جن کو معلوم کرنا انسان کی طاقت سے بالکل باہر ہے۔

مذہب عیسوی کے اس بے اطمینانی کی حالت کا ایک اور پہلو بھی ہے جو وہ بھی عیسائی عقاید کے تنزل کی طرح اس مذہب کے زوال کی ایک یقینی علامت ہے۔ یہ ہے مسیح کی آمدثانی کی مضبوط امیدیں بلکہ ان امیدوں کی انجام کار ناکامی۔ ابتدائے عیسائیت سے مسیح کی آمدثانی کی سخت انتظار لگی رہی ہے۔ لیکن یہ امید ایسی مضبوط اور ایسی عالمگیر کبھی نہیں ہوئی جیسے کہ اس موجودہ زمانہ میں۔ آمد کے وقت کے نہایت ہی قریب ہونے کا یہ خیال صرف ان تحقیقاتوں پر ہی مبنی نہیں ہے جو بائبل کے علمائے اس کی پیش گوئیوں کی بنا پر اندازے لگائے ہیں بلکہ یہ ایک عام خیال ہے جو کل جہان میں اس وقت پھیلا ہوا ہے۔ تمام عیسائی دنیا اس وقت چیخ اٹھی ہے کہ مسیح کی آمد کا یہی وقت ہے بلکہ یہاں تک آوازیں آرہی ہیں کہ مسیح تو دروازے پر کھڑا اور اس کو گھٹکھٹا رہا ہے۔ کیا وقت کا حساب اور کیا یہ تمام احساس دونوں ایک آواز سے اس بات پر متفق ہیں کہ یہی وقت مسیح کی آمد کا ہے اور تمام اس بات پر متفق ہو رہے ہیں کہ اگر اس وقت میں مسیح نہ آیا تو پھر اور کوئی اس کے آنے کا وقت نہیں کیونکہ اس کے آنے کے سبب نشانات بھی پورے ہو چکے ہیں۔ اس صورت میں جتنی امیدیں اس کے جلدی آنے کی لگی ہوئی ہیں وہ سب درحقیقت عیسائی عقیدے کو جڑ سے اکھیڑنے والی طاقتیں ہیں۔ کچھ زمانہ تو ان امیدوں میں آگے گزر چکا ہے اور کچھ وقت اور گزر جانے کے بعد یہ صاف معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ سخت انتظار میں بادلوں کی طرف دیکھتے رہے ہیں وہ سب دھوکہ میں پڑے رہے اگر یہ ممکن ہے کہ مسیح کی ذاتی آمدثانی کی امید کبھی پوری ہو تو پگٹ کے وجود میں وہ پوری ہو چکی ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہی یسوع مسیح زمین و آسمان کا خدا ہوں جو پہلے آیا تھا۔ لیکن لوگ اس کی بات کو نہیں مانتے اگرچہ وہ دیکھتے ہیں کہ اگر یسوع خدا ہو سکتا تھا تو پگٹ کے دعوے میں کوئی نرالی بات نہیں ہے۔ لیکن اس پیچاڑے پر ہنسا جاتا ہے حالانکہ ہنسنے کے قابل بات مسیح کی ذاتی آمدثانی کا عقیدہ ہے۔

یہ مشکل بھی آخر مذہب اسلام ہی حل کرتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ صاف بتا دیا

گیا ہے کہ یسوع مسیح خود واپس نہیں آئے گا بلکہ اس کا ٹیل آئے گا علاوہ ازیں
 اسلام نے وہ علامتیں مقرر کر دی ہیں جو اُس کے آنے کے نشانات ہیں۔ انہیں
 سے ایک نشان ایسا ہے جس کو ہر ایک انسان اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا اور وہ
 ایسا صریح اور یقین ہے کہ موٹی سے موٹی عقل والا آدمی بھی اس سے سچے آنے والے کو
 بغیر شک اور شبہ کے پہچان سکتا ہے۔ یہ نشان سورج اور چاند کے خاص
 مہینہ میں خاص اجتماع کے متعلق ہے اور قریباً دس سال کا عرصہ ہوتا ہے
 کہ یہ نشان بعینہ اسی طرز میں وقوع میں آچکا جیسے تیرہ سو سال پہلے بتایا گیا تھا۔ علاوہ
 ازیں بہت سے اور نشانات جن کا وعدہ تھا ظاہر ہو چکے ہیں اور ان کے
 دیکھنے والے کو اس قسم کے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جیسا ان نشانات
 کے دیکھنے والے کو رہ سکتی ہے جو انجیل میں بیان کئے گئے ہیں مثلاً زلزلوں
 کا آنا۔ لڑائیوں کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ خدائے تعالیٰ کے پرانے وعدوں
 کے مطابق اور ان سب نشانات کو پورا کر کے سچا مسیح موعود دنیا میں عین اس
 وقت میں ظاہر ہو چکا ہے جب تمام آنکھیں سخت انتظار میں اس کی حالت میں اسکی
 طرف لگی ہوئی تھیں۔ ہاں اگر وہ اس وقت ظاہر نہ ہوتا تو کل دنیا خدا کے
 وعدوں کے پورا ہونے سے مایوس ہو جاتی وہ ٹھیک وقت پر اور صحیح طریق
 میں آیا ہے اور ظاہر ہو چکا ہے۔ خود عیسائی عقائد میں اس تزلزل کا واقع ہونا جو انکو
 صفہ ہستی سے مٹا رہا ہے اس امر کی مضبوط شہادت ہے کہ آئے والا آچکا ہے کیونکہ
 تیرہ سو سال پہلے ایسا ہی بتایا گیا تھا۔ زمین اور آسمان دونوں اس امر کی شہادت
 دے رہے ہیں کہ خدا کے وعدے پورے ہو چکے۔ خدائے تعالیٰ نے ہزار بار
 آسمانی نشان اپنے مسیح کی تائید میں ظاہر کئے ہیں اور ہر ایک وہ ثبوت اُس کی
 سچائی کا دیا ہے جو وہ پہلے انبیاء کی سچائی کے لئے دیتا رہا ہے۔ گناہ سے جسکو
 نجات کہنا چاہیے اس کے پیچھے چلنے سے ملتی ہے کیونکہ اُسی کی وساطت سے
 اُس زندہ خدا کا چہرہ نظر آ سکتا ہے جس کی خواہش بہتوں کو ہے لیکن تھوڑے
 ہیں جن کی خواہش پوری ہوتی ہے۔ اُسی کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور
 اس کے علم و طاقت پر وہ زندہ ایمان اور کامل یقین حاصل ہوتا ہے جو انسان کو
 گناہ کی راہ سے بچا سکتا ہے۔ اُسی کی پیچھے چلنے سے وہ دائمی خوشحالی اور روحانی
 برکات حاصل ہوتی ہیں جو پہلے راست بازوں کو ملتی رہیں۔

یہ ابھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یسوع کا اناجیل میں یہ وعدہ کہ وہ خود دوبارہ آئیگا اسکے
مثیل کی آمد سے پورا ہو چکا ہے۔ اول تو یہ امر بھی ناممکن نہیں کہ مسیح کو اپنی آمد ثانی کے معنی
سمجھنے میں پہلے غلطی لگی ہو اور بجائے روحانی آمد سمجھنے کے اس نے جسمانی آمد اس سے
سمجھ لی ہو۔ اجتہاد میں ایسی غلطی اسکے مسیح ہونیکے دعوے کی کسی طرح منافی نہیں اور اسکی مثالیں
خود اناجیل میں موجود ہیں اگرچہ وہ غلطی قائم نہیں رہی بلکہ خدا تعالیٰ اسکو بعد میں رفع کر دیتا ہے
مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ داؤد کی سلطنت دوبارہ قائم کرنیکے معنوں میں بھی حضرت مسیح کے اجتہاد نے
غلطی کی اور اس سے اس نے دنیوی سلطنت کا قائم ہونا سمجھ لیا اور ایسوجہ پر یہ مشورہ بھی اپنے
مریدوں کو دیا کہ کپڑے بچکے تلواریں خرید لو۔ مگر جلدی ہی اس کو اس غلطی کا پتہ لگ گیا اور اس نے
کہدیا کہ سلطنت سے مراد آسمانی سلطنت ہے نہ زمینی سلطنت۔ ایسا ہی ممکن ہو کہ اس نے پہلے
آمد ثانی کے معنی غلط سمجھے ہوں لیکن بعد میں اس خیال کی اصلاح ہو گئی ہو۔ چنانچہ اس قسم کے فقرات
کہ جس طرح ایلیا نے دکھا اٹھایا (یعنی آمد ثانی میں) اسی طرح ابن آدم بھی اٹھایگا اور کہ میرا ناچو کہ طرچ ہوگا
اسکے مؤید ہیں۔ ثانیاً۔ سب جانتے ہیں کہ یہودی اپنی آسمانی کتب کی بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ
سچے مسیح کی آمد کی سب سے زیادہ یقینی علامت ایلیا کا اس سے پہلے دوبارہ دنیا میں آنا ہو اور اسلئے
وہ ہر ایک دعویدار کو اسی نشان کے موجود نہ ہونیسے جھوٹا سمجھ لیتے تھے جب یسوع نے مسیحیت کا دعوہ
کیا تو وہی اعتراض اسکے بھی سامنے پیش کیا گیا کہ ایلیاس ابھی دوبارہ نہیں آیا اسکا جواب حضرت
مسیح نے یہ دیا کہ ایلیاس کے دوبارہ آئیکاد وعدہ اسکے مثیل کے آئیسے پورا ہو چکا کیونکہ یوحنا ایلیاس کی روح
اور طامیتیں ہو کر آیا ہے ایک موقع پر جب اسکے شاگردوں نے کہا کہ ایلیاس کہاں ہے تو اسنے یوحنا کی
طرف اشارہ کیا جس سے اسکا مطلب یہ تھا کہ وہ وہی ایلیا تھا جسکے وہ انتظار میں تھے اب بائبل میں
ایسی مثال تو ایک بھی موجود نہیں ہے کہ ایک شخص ایک دفعہ اس دنیا سے جا کر دوبارہ خود ہی بہمان جسم
عنصری واپس آئیگا ہو بلکہ برخلاف اسکے جو مثال آمد ثانی کی آئیں پائی جاتی ہے اسکے معنی خود حضرت
مسیح نے یہ کر دئے ہیں کہ اس سے مراد صرف اسکے مثیل کی آمد ہے نہ کچھ اور۔ اسلئے جب اسنے اپنی آمد
ثانی کا ذکر کیا۔ تو اسکی مراد سوائے اسکے اور کچھ نہ ہو سکتی تھی جو اسنے ایلیا کی آمد ثانی کے معنی کئے تھے لہذا
آئین ذرہ شک کی گنجائش باقی نہیں ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کا وعدہ جو اناجیل میں مذکور ہے وہ اسکے
مثیل کے آئیسے پورا ہو چکا۔ قرآن کریم نے اس امر کو ابھی کھول کر اور پوری وضاحت سے بیان کر دیا ہے
جبکہ اسنے یہ فرمایا کہ مسیح نہیں بلکہ اسکا مثیل نبیا میں آویگا۔ اگر باوجود اس صاف صاف اور یقینی شہادت
کے اور باوجود ان تمام ثبوتوں کے جو مسیح موعود اپنی صداقت پر دے رہے اب بھی لوگ یسوع کی جسمانی
آمد کے انتظار میں لگے ہیں گے تو انکا انجام وہی ہو گا جو ان یہودیوں کا ہوا جو باوجود مسیح کے سمجھانیکے ایلیا کی

دوبارہ آمد کے منتظر ہے اور اس طرح سچے مسیح کے پہچاننے سے ہمیشہ کیلئے محروم رہے یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں بلکہ صرف اسی ایک امر پر غور کر نیسے مسیح کی آمد ثانی کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کوئی عیسائی ہو جو اسکی کوئی وجہ بتا سکے کہ اگر ایلیاس کی آمد ثانی کا وعدہ اسکے پیش کے آئیے پورا ہو سکتا تھا تو کیوں مسیح کی آمد ثانی کا وعدہ بھی اسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ کوئی عیسائی ہے جو بیان کر سکے کہ اگر وہ یہودی جو ایلیاس کی جسمانی آمد ثانی کے منتظر رہے حالانکہ انکو صحاف الفاظ میں وعدہ بھی یہی دیا گیا تھا کہ ایلیاس خود دوبارہ آئیں گے غلطی پر تھے تو کیوں وہ لوگ جو مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں غلطی پر نہیں باوجودیکہ مسیح کے اقوال میں اس قسم کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں کہ میرا باپ کرطرح ہوگا یعنی جھین لکر۔ ہاں اگر یہودی یسوع مسیح کے انکار میں ہیں تو پھر یہ لوگ بھی مسیح موعود کے انکار میں حق پر ہیں اور اگر وہ غلطی پر تھے تو یہ بھی غلطی پر ہیں اور یہ نتیجہ ایسا ہے کہ کسی طرح اس سے عیسائی انکار نہیں کر سکتے۔

نشان جو سات سال ہوئے دنیا نے دیکھا تھا اب پھر از سر نو بلبک کے سامنے پیش ہو گا۔ پنڈت لیکھ رام کی موت۔ اسکا ٹھیک وقت اور طریق اس واقعہ سے چار سال پہلے حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے خدا سے الہام پاکر مشہر کر دیا تھا۔ اس پیشگوئی کا تمام تفصیلات کے ساتھ اس طرح استقدر وہ بیان کیا جاتا اور پھر بعد اسی طرح ظہور میں آتا۔ آریہ سماج کے مذہبی عقاید کی غلطی پر قطعی اور یقینی دلیل تھی جسکو دیکھ کر سماج فرض تھا کہ فائدہ اٹھاتا۔ لیکن ایک عظیم الشان مذہبی سرگروہ کی موت کے صدمہ نے اسقدر جوش طبیعتوں میں پیدا کر دیا کہ انہوں نے اس معاہدہ کی بھی کچھ پروا نہ کی جو ان کا قومی شہید کر چکا تھا۔ اسکی موت سماج کیلئے ایک تہذیب تھی کہ وہ اپنے عقائد میں غلطی پر ہے کیونکہ لیکھ رام نے بحیثیت سماج کالیڈرا اور وکیل ہونیکے یہ معاہدہ کیا تھا کہ یہ پیشگوئی جو حضرت مرزا صاحب اس کے متعلق شائع کرینگے اگر پوری ہو جائے تو اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہوگی کہ مذہب اسلام سچا اور آریہ سماج جھوٹا مذہب ہے اور اگر پوری نہ ہو تو ایسا ہی قطعی ثبوت آریہ سماج کی سچائی کا ہوگی۔ چونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ لالہ کیشنب دیو جو سواخ کیلئے سامان مہیا کرنا چاہتے ہیں یا لالہ منشی رام جو سواخ نویس ہونگے اس مضبوط معاہدہ اور اسکے بعد کے واقعات کو جو پیشگوئی کی اشاعت اور پورا ہونیکے متعلق ہیں شائع کرنا پسند نہ کریں اور چونکہ یہ بھی اندیشہ ہے کہ سماج بھی اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا ہی مصالحت خیال کرتا ہو۔ کیونکہ یہ لیکھ رام کے سواخ کا سامان آریہ سماج کے معدوم کر دینا کا سامان ہے اسلئے ہم ذیل میں اختصار کے طور پر ان تمام واقعات کو بالترتیب بیان کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ اب جبکہ جوش کا وقت گزر چکا ہے آریہ سماجی عقائد کے دل سے انہر غور کریں گے اور سوچیں گے کہ کیا آئندہ کے ایسے گہرے راز اسقدر عرصہ پہلے بیان کر دینا انسانی طاقت کا کام ہو سکتا ہے ہمیں آریہ سماج سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں اور ان واقعات کو جو سماج کے سامنے اسکے ایک بڑے سرگروہ کی موت کا نقشہ پیش کرتے ہیں بیان بھی نہ کرتے لیکن چونکہ یہ واقعات اللہ تعالیٰ کے جلال اس کی عظیم الشان طاقتوں اور غیب و رعب کے علم کو ظاہر کرتے ہیں اور اس دہریت اور مادہ پرستی کے زمانہ میں اس کی ہستی کے متعلق ایک قطعی تصدیق پیدا کرتے ہیں اس لئے انکے اخفا کو ہم سخت گناہ سمجھتے ہیں ان واقعات کو پیش کر کے ہم آریہ سماج کے نامور لیڈر لالہ منشی رام سے امید رکھتے ہیں کہ وہ پنڈت کی سواخ سمجھتے وقت ان واقعات کو خاص طور پر مد نظر رکھیں گے اور پنڈت کی سواخ کا انہیں ایک بڑا ضروری حصہ سمجھیں گے کیونکہ انکے ذریعہ سے سچے مذہب کی تائید میں ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوا ہے۔ آریہ سماجیوں کا یہ خیال ہے کہ پنڈت لیکھ رام نے اپنی زندگی سچے مذہب کی حمایت اور تائید میں صرف کی لیکن امر واقع یہ ہے کہ اصل میں پنڈت کی موت سے اور پیشگوئی کے مطابق موت سے حق کی عظیم الشان

تائید ہوئی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی زندگی بہ سبب اس کی پرورش و غلوئے ہمیشہ کیلئے مشہور ہوئی مگر ہماری رائے میں اس کی موت اس کی زندگی سے بدرجہا بڑھ کر ایک قابل یادگار واقع ہے کیونکہ اس کی موت خاموشی کی زبان سے ہمیشہ آنیوالی سلسلو کو یہ وعظ کرتی رہے گی کہ اسلام کا خدا وہ زندہ اور طاقتور خدا ہے جو اس عالم کے ذرہ ذرہ پر تصرف رکھتا ہے اور اپنی منشا اور ارادہ کے مطابق اسے جس طرح چاہے چلاتا ہے اور کہ اسلام ہی صرف ایک اور ایسا ایسا مذہب ہے جسکے حقیقی پیروں کو آسمانی نشان اور آسمانی برکتیں دی جاتی ہیں اور اسکے سوائے دوسرے کسی مذہب کو یہ فخر حاصل نہیں۔ اس مختصر تمہید کے بعد ذیل میں ہم وہ واقعات درج کرتے ہیں جو لیکچر رام کی موت کی پیشگوئی کے متعلق وقوع میں آئے۔

۱۸۸۴ء عیسوی میں حضرت میرزا صاحب کی مشہور تصنیف براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شائع ہوا۔ اس میں علاوہ ان زبردست دلائل کے جو غیر مذاہب کی تردید میں جن میں آریہ سماج بھی شامل تھا اور مذہب حقہ اسلام کی تائید میں دئے گئے تھے۔ چند آسمانی نشانات کا بھی ذکر ہے جو کتاب کے مصنف کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کئے تھے اور انہیں میں ایک نشان آریہ سماج کے بانی کے متعلق بھی تھا جو اس کی موت کی پیشگوئی پر مشتمل تھا اسکے علاوہ مصنف کتاب کی طرے سے یہ دعوے بھی اس کتاب میں کیا گیا تھا کہ اگر مخالفین اسکے پاس آئیں تو وہ ان کو بھی آسمانی نشان دکھا سکتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہیں تو پھر انہیں کے مطابق اپنے مذاہب میں آسمانی نشانوں کا وجود دکھا دیں۔ کچھ عرصہ بعد پندرہ لیکچر رام جو آریہ سماج کا ایک مشہور واعظ اور سرکردہ ممبر تھا قادیان میں آیا اور یہ سہ ماہی کے اخیر دن تھے اور اس نے حضرت میرزا صاحب سے مباحثہ بھی کرنا چاہا اور آسمانی نشان دیکھنے کا بھی طالب ہوا۔ وہ قریباً ایک ماہ یہاں ٹھہرا لیکن مباحثہ کی شرائط منظور کرنے سے گریز کیا۔ مگر آسمانی نشان وہ بڑے اصرار سے مانگتا رہا اور نہایت تحقیر آمیز کلمات میں حضرت میرزا صاحب کے وعدے اور خدا کی طاقت پر کہ وہ اسی دنیا میں سزا دینے پر قادر ہے استہزا کرتا رہا۔ آخر چند دن کی خط و کتابت کے بعد ایک معاہدہ فریقین کے درمیان ہوا جسکے رو سے یہ قرار پایا کہ میرزا صاحب اپنے مخالف کے حق میں کوئی پیشگوئی شائع کریں۔ شرط یہ تھی کہ اگر پیشگوئی سچی نکلتے تو وہ آریہ سماج کے ہاں ہونی کا قطعی ثبوت ہوگی اور اگر جھوٹی نکلتے تو اسلام کے سچانہ ہونے پر دلیل ٹھہریگی۔ اسکے بعد ۲۰ فروری ۱۸۸۵ء کو ایک دوسرا اشتہار حضرت میرزا صاحب کی طرے سے نکلا جس میں انہوں نے لیکچر رام کو مئی طے کر کے اس پیشگوئی کا ذکر جو وہ طلب کرتا تھا اور لکھا کہ اگر پیشگوئی کی اشاعت سے اسے کوئی رنج پہونچے تو وہ اس پیشگوئی کو شائع نہ کریں اگرچہ پہلے معاہدہ کی رو سے ہی

انہیں پورا حق حاصل تھا کہ لیکھرام کے متعلق جو پیش گوئی چاہین شائع کریں مگر مزید احتیاط کے لئے کہ مبادا اسکے دل کو دکھ پہنچے دوبارہ اس کی اجازت چاہی اس اشتہار کا جواب بنڈت ٹیکہ ٹیم نے حسب معمول گستاخانہ جرات سے یہ دیا کہ میری نظر سے اجازت ہے جو پیش گوئی چاہو شائع کرو میں تمہاری پیش گوئی کو واہیات سمجھتا ہوں اور اس سے ڈرتا نہیں اس کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب بدت تک پیشگوئی کے اظہار میں توقف کیا کہ شاید وہ اپنی اصلاح کر لے لیکن بنڈت کا کہنا اسلام کے ساتھ اور اسکے حملوں کی سختی اس مقدس مذہب پر ہون بدن پڑھتی گئی۔ بنو بالآخر ۲۰ فروری ۱۹۳۷ء کو پہلا اشتہار شائع ہوا جس میں اس کی موت کی پیش گوئی تھی۔ اسکے ابتدائیں چند فارسی اشعار تھے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے نظیر فضائل اور غیر منقطع اور دائمی برکات بیان کیے گئے ہیں آخری چند اشعار میں صاف طور پر لیکھرام کی موت کا اور اس امر کا کہ کس طرز پر وہ واقع ہوگی ذکر ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں ۱۔ الہ کے دشمن نادان و بے راہ و تیرس از تیغ بران محمدؐ رہ مولیٰ کہ گم کرد مردم بد بچو در آل اعوان محمدؐ ۲۔ الہ کے منکر از نشان محمدؐ ہم از نور نمایان محمدؐ ۳۔ کرامت گر چہ بے نام و نشان است بد بیابگر ز غلمان محمدؐ ان اشعار کے نیچے یہ سرخی ہے ”لیکھرام پشاور کی نسبت ایک پیشگوئی“ اور الفاظ تیغ بران محمدؐ سے ایک ہاتھ کی تصویر کھینچی گئی ہے جسکی انگلی کا اشارہ اسی سرخی کے درمیان ہے۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ موت کی پیشگوئی بالقرصیح اسی اشتہار میں آگے چل کر بیان کی گئی ہے لیکن جو شخص ان اشعار پر اور پھر تیغ بران کے لیکھرام کی طرف اشارہ پر ذرہ بھی غور کرے گا وہ آسانی سے سمجھ لے گا کہ اس جگہ لیکھرام کے قتل کی طرف صاف اشارہ ہے۔ تیغ بران اس کی زندگی کا خاتمہ کرنیوالی اور اسی تیغ بران کے ذریعہ خدا کے نالے کا غضب اس پر نازل ہونیوالا تھا کیونکہ اس نے تمام مقدسوں کے سرتاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت گالیوں کا لکھراور توہین کر کے خدا کے غضب کی آگ کو بھڑکایا تھا۔ اور اسی واسطے اسکو کہا گیا کہ دیکھ تو تو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہتا اور گالیوں کا لکھتا اور انکے معجزات کا منکر ہے مگر اسوقت بھی جبکہ دنیا میں معجزہ اور کرامت کا نام و نشان مفقود ہو رہا ہے اسی ہی عربی کا ایک غلام (حضرت میرزا غلام احمدؒ) مجھے ایک نشان دکھاتا ہے۔ اے کاش کہ وہ دل رکھتا اور اینوالے غضب سے ڈر کر اصلاح کرتا۔ بعد ان اشعار کے اصل پیش گوئی اس اشتہار میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ ”اس کی نسبت جب تو جیگی تو اللہ جل شانہ کی طرف سویا الہام ہو عجل جسد لہ خوار۔ لہ نصب و عذاب۔ یعنی یہ صرف ایک بیجان گو سالہ ہے جسکے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اسکے لئے ان گستاخیوں اور بد زبانوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اسکو مل رہے گا اور اسکے بعد آج جو ۲۰ فروری

روز دو شنبہ ہے۔ اس عذاب کا وقت معلوم کر نیسکے لیٹے تو بیکینی تو خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰۔ فروری سنہ ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بد زبانوں کی سزا میں یعنی ان بچے ادیبوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں عذاب شدید میں مبتلا ہو جائیگا۔ اس کے نیچے حاشیہ پر یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ”اب آرونکو چاہئے کہ سب ملکر دعا کریں کہ یہ عذاب اُنکے اس وکیل سے ہلجائے“ یہ اشتہار بڑی کثرت تمام تو مونکے درمیان شائع کیا گیا۔ اور اخبارات میں بھی اسکے متعلق مضامین نکلتے رہے بعض اخبارات کے اس اعتراض پر کہ اس اشتہار کا مفہوم صاف نہیں دوبارہ اس کی تشریح قریباً دو ماہ بعد کی گئی۔ ان دنوں میں سر سید احمد خان نے ایک رسالہ دعا پر لکھا تھا جس میں انہوں نے قبولیت دعا سے انکار کیا تھا اسکا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھ رہے تھے جب یہ اقرار فرمایا ہوئے اس رسالہ کا نام جس میں سید احمد خان کے خیالات کی تردید کی گئی ”برکات الدعاء“ تھا۔ اسکے اخیر میں چند فارسی اشعار قبولیت دعا کے متعلق تھے جن میں سید احمد خان خاص طور پر مخاطب تھے۔ آخری دو شعر اسکے یہ ہیں:۔

اے کہ گوئی گرد دعا بار اثر بودے کجاست | سوئے من بشتاب بنمایم ترا چون آفتاب
 مان کن انکار زین اسرار قدر تہائے حق | وقسمہ کو تہ کن یہ بین از مادعائے مستجاب
 اور آخری مصرعہ کے نیچے یہ الفاظ ہیں دیکھو برکات الدعاء سرورق صفحہ ۲ و ۳ و ۴۔ ان اشعار اور نوٹ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قبولیت دعا سے انکار مت کرو بلکہ میری طرف آؤ تا میں تمہیں آفتاب کی طرح روشن کر سکے دکھاؤں کہ دعا قبول ہوتی ہے مختصر بات یہ ہے کہ میں تمہیں دعا مستجاب دکھاتا ہوں جس کی تفصیل سرورق کے صفحات ۲ و ۳ و ۴ میں ہے جب ہم ان صفحات کو دیکھتے ہیں تو وہاں یہ سرخی ہے ”نوند دعائے مستجاب“ اور اسکے نیچے لیکچر کی موت کی پیشگوئی کی تفصیل اور بعض ان اعتراضات کا جواب ہے جو اخبارات میں اس پیشگوئی پر لگے گئے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سر سید احمد خان کو جو دعائے مستجاب دکھانیکا وعدہ برکات الدعاء کے اخیر پر کیا گیا تھا۔ وہ اسی پیشگوئی کے متعلق دعا تھی اور یہی ایک نمونہ قبولیت دعا کے ثبوت کیلئے معیار سمجھا یا گیا تھا۔ مذکورہ بالا عنوان کے نیچے یہ عبارت درج ہے ”میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر جیسا کہ مقررہ نمونے نے خیال فرمایا ہو پیشگوئی کا حاصل آخر کار یہی نکلا کہ کوئی معمولی تپ آیا یا معمولی طور پر کوئی درد ہوا یا ہیضہ ہوا اور پھر اصلی حالت صحت کی قیام ہو گئی تو وہ پیشگوئی متصور نہیں ہوگی اور بلاشبہ ایک کمر اور قریب ہوگا۔۔۔۔۔ پس اس صورت میں بلاشبہ اس سزا کے لائق ٹھہرنا جیسا کہ زمین نے کیا ہے لیکن اگر پیشگوئی

کا ظہور اس طور سے ہوا کہ جس میں قہر الہی کے نشان صاف صاف اور کھیلے طور پر دکھائی دیں تو پھر سمجھو کہ خدا تعالیٰ کیطرح شے ہے..... چھ کو ذاتی طور پر کسی سے بھی عداوت نہیں بلکہ اس شخص نے سچائی سے دشمنی کی اور ایک ایسے کامل اور مقدس کو جو تمام سچائیوں کو چھوڑ دیا تھا تو میں سے یا دیکھا اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے ایک پیارے کی دنیا میں عزت ظاہر کرے۔ اسی کتاب برکات الدعا کے اخیر پر ایک اور پیشگوئی حاشیہ پر درج ہے جس سے اوپر بھی وضاحت ہوتی ہے۔ اس کا عنوان ہے ”لیکھرام پیشاوری کی نسبت ایک اور خبر“ اور آگے لکھا ہے ”آج جو ۲۰ اپریل سنہ ۱۸۹۳ء مطابق ۴ ماہ رمضان سنہ ۱۳۱۰ھ صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرہ پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں بلکہ ایک شدید غلاظت میں سے ہے اور اس کی ہیبت دلون پر طاری تھی اور میں اسے دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے تب میں نے اس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دو سرے شخص کی سزا ہی کے لئے مامور کیا گیا ہے مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دو سرے شخص کون ہے۔

ہاں یہ یقینی طور پر یاد ہے کہ وہ دو سرے شخص انہیں چمکا دیو نے تھا جس کی نسبت میں اشتہار دیکھا ہوں اور یہ یکشنبہ کا دن اور چار بجے صبح کا وقت تھا۔ یہ کتاب جس میں یہ پیشگوئیاں شایع کی گئیں۔ پہلے اشتہار سے قریب دو ماہ بعد شایع ہوئی۔ یہ تمام پیشگوئیاں بلند آواز سے پکار رہی ہیں کہ لیکھرام کے لئے چھ سال کے عرصہ کے اندر موت مقدر تھی اور موت کا ذریعہ قتل تھا۔ تیغ بران کا ذکر معمولی بیاد یونگی نقی میرا کا ہیبت ناک اور ایک ہیبت ناک فرشتہ کا خونخوار چہرہ کے ساتھ نمودار ہوتا۔ صاف طور پر اس واقعہ کا نقشہ کھینچ رہی ہیں جو چند سال بعد واقعہ ہوئی والا تھا اور لیکھرام کے خوفناک انجام کی خبر دے رہی ہیں۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں ایک اور کتاب کرامات الصادقین شایع ہوئی۔ جس کے آخری صفحہ پر لیکھرام کی موت کا عربی عبارت میں ذکر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ”اور میرے نشانوں میں سے ہے جو میرے خدا نے میرے ساتھ وعدہ کیا اور ایک مفسد آدمی خدا اور رسول کے دشمن مسی لیکھرام پیشاوری کے متعلق میری دعا قبول کی اور میرے رب نے مجھے خبر دی کہ وہ ہلا ہوا ہوں میں نے یہ کیونکہ وہ آنحضرت صلعم کو گالیوں کا لٹا رہا ہے اور آپ کی شان میں گندے کلمات بولتا ہے۔“

پس میں نے اس پر بد دعا کی اور میرے رب نے اس کی موت کی چھ سال کے اندر اندر خبری
 بیشک اس میں حق کے طاہرہ کے لئے نشان ہے۔ پھر اس کی موت کے وقت کے متعلق اس
 کتاب میں یہ عربی شعر ہے: فی شری ربی و قال بشر اہ۔ ستعرف یوم العید والعید اقرب
 جس کا ترجمہ یہ ہے اور میرے رب نے مجھے خوشخبری دیکر فرمایا کہ عنقریب تو خوشی کے دن کو دیکھیں گے
 اور وہ عید کے دن کے ساتھ ملا ہوا ہو گا۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ لیکھ رام کی موت کا دن عید
 ملا ہوا ہو گا۔ یہ تمام واقعات وقوعہ سے بہت پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اچھی
 طرح مشہور ہو چکے تھے چنانچہ آریوں کو بخوبی معلوم تھا کہ پیشگوئی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ
 لیکھ رام کی موت چھ سال کے اندر اندر ہندو یقیناً ایسے دن میں واقع ہوگی جو عید کے دن سے
 ملا ہوا ہو گا چنانچہ پنجاب سماچار اپنے ضمیمہ مورخہ ۸- مارچ سنہ ۱۸۹۷ء میں جو لیکھ رام کی موت کے
 تین دن بعد لکھا گیا۔ لکھتا ہے کہ ”کہا کرتے تھے کہ بیڈت کو مار ڈالینگے اور اس عرصہ میں اور
 فلاں دن (یعنی عید کے دوسرے دن میں) ایک دردناک حالت میں مر گیا“ اخبار مذکور کا
 یہ لکھنا کہ کہا کرتے تھے کہ مار ڈالینگے محض اقترا ہے کیونکہ پیشگوئیوں کی اشاعت کے علاوہ اور
 کچھ نہیں لکھا گیا اور وہ بھی بیڈت مقتول کے اصرار اور مطالبہ پر۔ یہ صرف ایک ہی پیشگوئی
 نہیں تھی بلکہ ایک ہی واقعہ کے متعلق متعدد پیشگوئیاں جو یکے بعد دیگرے شائع کی گئیں اور
 اور ہر ایک میں پہلی سے زیادہ تفصیل کی گئی۔

اب اس امر پر غور کرنی چاہئے کہ کیونکر یہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ ۶- مارچ سنہ ۱۸۹۷ء
 کو یعنی پیشگوئی کے پہلے اشتہار کی تاریخ سے قریباً چار سال بعد اور مقررہ عید کے اندر روز
 روشن میں لیکھ رام ایک قاتل کی خنجر کا شکار ہوا۔ اور اس سے ایک دن پہلے یعنی ۵ مارچ
 کو عید کا دن تھا۔ ۶ بجے شام کا وقت تھا جب اسے چھری لگی۔ اور اس کے چند گھنٹہ بعد
 وہ زندہ رہا۔ اور آخر کار ایک دردناک حالت میں آدھی رات کے قریب مر گیا اس طرح
 ایک عظیم الشان پیش گوئی جس کا ثبوت دن سے بھی زیادہ روشن ہے پوری ہوئی۔۔۔
 کسی گزشتہ مدت کا قصہ نہیں بلکہ ہزار ہا ایسے لوگ جنہوں نے پیشگوئی کی اشاعت کو اور
 پھر اسے پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اب تک زندہ موجود ہیں اور سینکڑوں
 ہندوؤں اور مسلمانوں نے جن کو حضرت مسیح موعودؑ سے کوئی تعلق بعیت وغیرہ کا نہیں
 اپنی تحریری شہادت اس امر کے متعلق دی کہ واقعی لیکھ رام کی موت عین پیشگوئی کے
 مطابق ہوئی اور اس کا وقوع انسان کی طاقت سے باہر اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف
 سے ہے۔

نوسو سچے پچیس سو یعنی سہ چہند کے قریب پہنچ گئی ہے مگر کچھ عرصہ سے اپنے مخلص اجاب کی اس نگاہ
فی سبیل اللہ کی رفتار میں کسی قدر نسبت و ادیل کے نرمی سے دکھائی دینے لگی ہے حالانکہ ابھی
رسالہ کی خریداری کے اس تعداد تک پہنچنے میں بہت کمی ہے جس تعداد تک پہنچا نہیگا امام صادق
علیہ السلام نے اپنے ارشاد مبارک میں ارادہ ظاہر فرمایا ہے اس دھماپن کا بجز اسکے اور کیا باعث قرار دیا جاوے
کہ اپنی جماعت کے جملہ افراد کے اعضاء حمیت و اعانت میں ابھی پورے پیدائش پیدا نہیں ہوئے۔ ورنہ کہاں اس پاک جماعت
کے مخلص اجاب کے پر جوش دل اور اپنے پیارے امام کے ارشاد پر قربان ہونیوالی روحیں اور کہاں ایسے
تاکیدی حکم کی تعمیل میں استقامت رکھ کر دستاویز حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل اور اس رسالہ
کے مفاد تو اس امر کے مقتضی تھے کہ احمدیہ جماعت کا کوئی فرد خواندہ ہو یا نخواندہ اس رسالہ کی خریداری سے
محروم نہ رہتا۔ اس دوا کا سب سے بھی زیادہ احمدیہ جماعت کے اجاب سے اگر پانچ فیصدی بھی ایسے مخلص
نکل آویں جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنیں تاہم تعداد خریداری اس ہزار سے بڑھ جاتی ہو
تمام ممالک غیر امریکہ و یورپ وغیرہ میں اس رسالہ کے مضامین نے ایک تہلکہ مچا دیا ہے جس سے کئی لاکھوں
کے دلومنین کبھی تلاش حق کی تحریکیں پیدا ہو گئی ہیں۔ کچھ ایام میں اسٹیرلیا سے ایک یورپین کی جیٹی آئے تھے
جس میں وہ اس رسالہ کے مضامین کی دلچسپی کو ایک عاشقانہ پیرایہ میں ظاہر کر کے کہتا ہے کہ اس پر حقائق
دلچسپ مضامین میں تلاشی حق کیلئے صداقت کی ایک کھلی راہ ہے امید ہے کہ اسکے مقناطیسی اثر سے اور بھی
بہت لوگ ضرور متاثر ہونگے کیونکہ نہ ہو۔ پیارے امام صادق کی تحریرات سے سید فطرت و سعادت کیش
روحیں کبھی بھی بے اثر نہیں رہ سکتیں چہ جائیکہ اپنی جماعت کے مخلص اجاب کے دلومنین اسکے احکام کی بجا آوری
کا خیال و تحریک پیدا نہ ہو۔ مشیت ایزدی میں جو کام ہونا ہے اور جن اغراض کے لئے اسکا مورا آ رہا ہو وہ
سب ہو کر ہی رہیں گی۔ یہ تو صرف ہمارے واسطے تو شہ عقیقہ حاصل کرنیکا ایک موقع حسنہ ہے مادر من قال
سہ بمفت این اجر حضرت رادہ بنت اے اخی ورنہ بقضائے آسمان است این بہر حالت شود پیدا و شناسا دارین
حاصل کرنیکا عین وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ اجاب کو اس کا غیر میں ماتہ بیانیکی توفیق بخشے تاکہ اپنے امام پاک
کے احکام پر عمل کر کے سابق بالخیرات بنیں۔ آمین ثم آمین۔ والسلام۔

پیشچر

معذرت

بعض مقامات میں مصروفیت کی وجہ سے ایڈیٹر رسالہ کو پوری فرصت نہیں ملتی رہی ہے اس لئے گذشتہ دو تین سالہ رسالہ
توقف سے نکلتا رہا ہے نیز پرچہ ہذا کے چند صفحے کم ہیں۔ اسکی وجہ بھی وہی عدم فراغت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ
فراغت پانے پر یہ شبکیات رفع ہو جائیں گی اور کمی بھی پوری کی جاوے گی +

پیشچر

کمر سنیٹ احمد یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک مہینے میں تین مہینوں میں ناسخ نامہ بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے جو ان کی قوت
دلت انفرام رشی کے استعمال کر نیسے پہلے اور بعد بدن کو وزن کروا کر اس کے بڑھ کر مہسی۔ ممولہ خون صالح۔ شیشی۔ بدن کو
مضبوط اور خوش رنگ بنانے اور جہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنے والی دوا کی ایسی آجکل کا دہائی نہیں ہوئی
اسکا اثر ان اعضا پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے۔ بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت
سے وابستہ ہے اس کے فی الفور حاصل ہوتی ہے کمر سنیٹ احمد اسکا نام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا اعضا کو تھکے پر مزہ
تو سے کو از سر نو بحال کر نیسے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے۔ قیمت فی شیشی ستر

روغن و روگرہ۔ روگرہ کے دورے اور قلیضیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان یہ عجیب و غریب روغن و روگرہ میں
خاص کر جب روگرہ کی کیو جہ سے ہو اسیر کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگ تھوڑے توڑ کر اور ریزہ ریزہ کر کے نہایت سہولت سے
خارج کر دیتا ہے۔ تمام سنگری اور ریت لنگر و روگرہ کی توت پیر نہیں ہوتی۔ قیمت فی شیشی ستر۔
عجیب و غریب مرہم المعروف مرہم عیسے۔ اگر آپ دنیا بھر میں سب سے اچھا پتہ تاثیر تیرہ ہدف ہر قسم کے
زخموں۔ جراثیموں۔ چوٹوں۔ گلیٹوں۔ مختار پیر۔ سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوٹوں
کے۔ اسورون گنج خارش بوا سیر اور طرح طرح کی جلد کی بیماریوں کا تھوڑے مددی سے پھٹ جاتا ہے اور
کاٹ لینے جلی لے اور عورتوں کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کے لئے تھوڑا سا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ
اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ با برکت علاج چاہتے ہیں تو یہ مبارک مرہم اس کا رخانہ سے منگائیے جو اسکو
خالص اجزاء سے تیار کر نیکادہ دار ہے طبی جہان اس کی کامیاب تاثیرات کا نمونہ ہے۔ یہ مشہور آفاق مرہم سوائے
کارخانہ مرہم عیسے کے دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا قیمت فی ڈبہ خورد ۶-۱۲ فی ڈبہ کلان عیسے۔

عمرہ التقویم سنہ ۱۴۰۵ مسقط حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسے کو لکھا لاہور علیہ السلام رسالہ اکیڈمی صحت نامت

ضروری استندعاء

جن جن برادران طرقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی
انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہیں اور مقامی سٹیشن میں کسی انگریزی دوائی خانے کے تھوڑے بکاعت
انہیں کسی اور شہر اور یا منگوانی میں سٹوڈیا کسی اور جگہ لکھنے کو اور یا انہیں سٹیکل سٹوڈیا و بازار قرضہ خانی
سے منگوائیں یہ کان میر متعلق نہیں نقصان نہیں اور کان کا فائدہ اور ایک کالی کی مدد
المشتر خواجہ کمال الدین وکیل پشاور۔

ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حکیم مولوی فضلہ نصیب صاحب طبع ہوا